

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارف

مدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمن مدنی مدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام **محدث** تھا - کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیم ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین و دانشور **حافظ عبدالرحمن مدنی** نے اس کا اجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی و کامرانی سے شائع ہو رہا ہے، واللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحب علم و فضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور لحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فنی شماره: ۲۰ روپے زیر سالانہ: ۲۰۰ روپے بیرون ملک: ۲۰ ڈالر

بذریعہ منی آرڈر / بینک ڈرافٹ ۲۰۰ روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے **محدث** وصول کریں اور علمی و تحقیقی

مضامین سے استفادہ کریں۔ ایڈریس: ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 035866476 / 3586639 - 042 موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے محدث کے مقاصد

✍ عناد اور تعصب قوم کیلئے زہر ہلا بل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

✍ علوم جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علوم اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دُقیانوس بنانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

✍ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اُقدار کے منافی ہے!

لیکن دین اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرت اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

✍ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالِحِ دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

✍ آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانازندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

✍ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!

کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

فہرست مضامین

- ۱۔ فکر و نظر..... مسلمان کی ناسلمانی ۳
- جائزہ ۱۰
- ۲۔ پاسبانِ حرمِ جلالتِ الملک تعزہ اللہ برحمتہ (نظم) ... عبدالرحمن عابیز ۱۶
- ۳۔ التفسیر والتبیر (سورہ بقرہ) قسط (۱۲) عزیز زبیدی ۱۷
- ۴۔ وسیلہ سے کیا مراد ہے؟ کسی خاص مقام پر دفن کی وصیت کا حکم ۲۲
- اور اس کا فائدہ؟ — مسئلہ کفارت وغیرہ دارالافتاء ۲۲
- ۵۔ غلامی اور حریت — اقبال کی نگاہ میں (ادارہ) ۳۹
- ۶۔ غلام یحییٰ بہاری اختر لاہی ۴۴
- ۷۔ تعارف و تبصرہ کتب (ادارہ) ۴۸

مسلمان کی نامسلمانی

مطلب کا دین — مطلب کا عمل

بائیں کجروی، خوش فہمی کا روگ الگ

دین اسلام جزوقتی ماضی کا نام نہیں نہ نیم عملی لائحہ عمل کا یہ کوئی پارٹ ہے بلکہ یہ ایک ہمہ وقتی ذہنی کیفیت اور ایک رنگ عملی اسلوب حیات کا نام ہے۔

إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ بَقِيَّةِ سَيِّدِي

کاسماں مومن پر ہر آن اور ہر مکان میں طاری رہتا ہے قرآن نے اس کیفیت کو یوں بیان فرمایا ہے۔

وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ

حَنِيفًا رِثَ (النساء ۶)

اس شخص سے کس کا دین بہتر ہو سکتا ہے جس نے پورا پورا اپنی ذات کو اللہ کے حوالے کر دیا اور اپنے حضور قلب کے ساتھ ایسا کرتا ہے اور وہ حضرت ابراہیم کے طریقے کی پیروی کرتا ہے کہ وہ سب سے منہ موڑ کر صرف ایک (فلا) کے ہو رہے تھے۔

وَإِذْ كُنَّا نَسْمُرُ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا رِثَ (المزمل ۶)

اور اپنے رب کا نام لیتے ہو اور ہر طرف سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔

حدیث شریف میں اس کو احسان سے تعبیر کیا گیا ہے اور پھر خود ہی بتایا کہ احسان کسے کہتے ہیں؟

أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَكَأَنَّكَ تَعْبُدُهُ (بخاری و مسلم)

خدا کی غلامی اور عبادت یوں کیجئے جیسے آپ اسے دیکھ رہے ہیں (یعنی پورے حضور قلب کے

ساتھ) اگر یہ کیفیت آپ کے لیے ممکن نہ ہو تو یوں تصور کیجئے کہ وہ تو آپ کو دیکھ رہا ہے۔

حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ رب کی معیت کا احساس قائم اور غالب رہے اور یہ استحضار کسی بھی

وقت دل سے غائب نہ ہونے پائے۔

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ، بجے کام اپنے ہی کام سے

تیرے ذکر سے تیری فکر سے، تیری یاد سے تیرے نام سے

جب خدا کی معیت اور اپنی عبدیت کا احساس قلب و نگاہ پر یوں چھا جاتا ہے، اس وقت مصافحہ زندگی میں جنودِ ابلیس تو کجا اگر خود ابلیس بھی آجائے تو منہ کی کھاتا ہے:

إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ (پک۔ النحل ٤)

جو مومن ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں، ان پر شیطان کا کچھ قابو نہیں (چلتا)۔
کیونکہ اس کا شکار تو صرف وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس کے ساتھ یا را نہ رکھتے ہیں اور خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک نہلاتے ہیں۔

إِنَّمَا سُلْطَانُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَكَّلُونَ عَلَى اللَّهِ ذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ (پک۔ النحل ٤)

یہ ان لوگوں کی بات نہیں جو بشری کمزوری کی بنا پر پھسل پڑتے ہیں اور پھر ہوش آتے ہی خدا کی طرف پلٹ جاتے ہیں۔ بلکہ یہ ان نادان دیروں کا قصہ ہے جو جانتے ہیں کہ رخ غلط سمت کو ہو گیا ہے جو ہر حال انھیں منہ نہ لے سکتے ہیں مگر اس احساس اور شعور کے باوجود وہ اسی غلط رخ پر سفر جاری رکھتے ہیں۔ یہ روش اور اندازِ حیات ایک غیر مسلم اور حق کے منکروں کے سلسلے میں بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ اسلوبِ زندگی صرف انہی بند نصیبوں کی بات تھی کیونکہ جو مسلم تھا وہ اس سے بالکل پاک تھا، دور تھا اور محفوظ تھا۔ مگر آہ! وہی مسلم آج انھیں شکرینِ حق کی طرح دو کشتیوں پر سوار نظر آتا ہے اور زندگی کے اس بکھرے کنارے میں کوشاں ہے کہ اس ددِ عملی کے ذریعے کسی طرح اسے ساحلِ مراد پا تھا آجائے۔ اور گردابِ حیات سے یوں نکل جاؤں کہ خدا بھی راضی رہے اور شیطان بھی ناراض نہ جائے۔

دراصل یہ دین، دینِ محمدی نہیں، مطلب کا دین اور مطلب کی مسلماناں ہے، دنیا کے جن پہلوؤں میں اپنا مادی بھلا محسوس کرتا ہے اس میں تو وہ کسی طرح پیچھے نہیں رہتا، لیکن جہاں وعدہ فردا یا محض رضائے الہی کی بات ہوتی ہے تو وہاں وہ کتر اگر کھٹک جاتا ہے۔

حق تعالیٰ مسلمان کی اس ناسلمانی کا یوں گلہ کرتے ہیں:

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ مَا آتَيْنَا تُخَيَّرُ فَبِئْسَ مَا كُنَّا فَعَلْنَا (پک۔ النور ٤)

اور کہتے ہیں ہم اللہ اور رسول پر ایمان لے آئے اور (خدا رسول کا) حکم مانا۔ پھر اس کے بعد ان میں کا ایک گروہ روگردانی کرتا ہے۔

فرمایا، ایسے لوگ سوارِ مسلمان کہلائیں، اسلحہ میں مسلمان نہیں ہیں۔

وَمَا أَدَّبُكَ بِالْمُؤْمِنِينَ (پٹ - النورخ)

کیوں؟ وجہ؟ فرمایا: یہ لوگ خدا سے مطلب کا معاملہ کرتے ہیں، ایمان کا نہیں کرتے۔

وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ مُعْرِضُونَ. فَإِنَّكَ تَكْتُمُ الْحَقَّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذِيعِينَ (پٹ - النورخ)

اور جب ان کو خدا اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں تو بس ان میں سے ایک فریق منہ پھیر لیتا ہے۔ اگر دُگری ان کے حق میں ہو تو پھر، کان دباٹے رسول کی طرف دھڑے چلتے ہیں۔

سورت حج میں اس شکوے کا یوں اظہار فرمایا کہ: ایک طرف ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے، اگر بات مطلب کی آگئی تو پکا مسلمان ورنہ تو کون میں کون؟

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَى وَجْهِهِ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَبُوا الْوَيْدَ (پٹ - الجمع)

اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو خدا کی عبادت اور غلامی بجالاتا ہے (مگر ایک طرف کھڑے ہو کر، اگر اس کو کچھ فائدہ پہنچ گیا تو اس کا دل ٹھنڈا ہو گیا، اگر آزمائش والی کوئی مصیبت آپڑی تو جبر سے آیا تھا ادھر ہی کو الٹا لوٹ گیا۔

راہِ حق میں لینے کے بجائے دینا پڑ گیا یا سکھ کے بجائے دکھ آگیا تو ان کو رونا پڑ جاتا ہے، اگر حق کا یہ کالواں کامیاب رہا تو آگے بڑھ بڑھ کر دکھاتے ہیں کہ ہم بھی تو تمہارے ساتھ تھے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ ۚ وَلَهُمْ جَازٍ نَعَسُهُمْ رَبُّهُ لِيَقُولَ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ (پٹ - العنکبوت ع)

اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو (منہ سے تو) کہہ دیتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے، پھر جب ان کو درامدِ خدا میں کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو وہ لوگوں کی ایذا دہی کو عذابِ خدا کی طرح (نا قابلِ برداشت) مصیبت بنا لیتے ہیں) اور اگر تمہارے رب کی طرف سے پچھلے تو کہنے لگ جاتے ہیں ہم بھی تو تمہارے ساتھ تھے۔ فرمایا: اگر ان پر فضل و کرم کی جلِ تعل کر دیتے ہیں تو پھر سے نہیں سہلتے، اگر اپنی غلط کاریوں کی وجہ سے ان پر کوئی افتاد آپڑے تو دل توڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔

وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا وَإِنْ تُصِيبُهُمْ سَيِّئَةٌ يَمْشُوا مُسِيئِينَ (پٹ - النورخ)

اور جب ہم لوگوں کو (اپنی) رحمت (کا مزہ) چکھا دیتے ہیں تو وہ جھوم جاتے ہیں اور اگر ان کے اپنے کرتوتوں کی بنا پر ان پر کوئی افتاد پڑ جائے تو بس اس توڑ بیٹھتے ہیں۔
فرمایا اصل میں یہ لوگ درمیانی راہ چاہتے ہیں کہ کچھ مان لیں یا کچھ چھوڑ دیں، تو اس سے مسلمان میں کوئی فرق نہ آئے۔

يُؤَيِّدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا (پٹا - النساء غ)

کام آسان ہو اور فائدہ کی بھی توقع ہو تو ساتھ ہو لیتے ہیں، ورنہ جیلے بہانے کر کے جان چھڑاتے ہیں۔
لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَا تَبْغُوكُمْ فَكُنْ بَعْدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّعْطَةُ وَسَيَعْلِفُونَ
بِاللَّهِ لَوْ سَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ (پٹا - توبہ دکنغ)

(اے پیغمبر!) اگر سہر دست فائدہ ہوتا اور سفر بھی متوسط رہے گا تو وہ آپ کے ساتھ ہو لیتے لیکن ان کو سافت دور معلوم ہوئی (اگر آپ ان سے وجہ پوچھیں گے تو) خدا کی قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ اگر ہم سے بن پڑتا تو ہم ضرور آپ کے ساتھ نکل کھڑے ہوتے۔

تکلیف کی گھڑی ہوتی تو خدا کا شکر کرتے کہ ہم ان کے ہمراہ نہیں تھے، اگر بات فضل و کرم کی ہوتی تو ہاتھ ملتے کہ کاش ہم بھی ان کے ہمراہ ہوتے۔

فَإِنْ أَصَابَكُمْ مِصِيبَةٌ قَالُوا اللَّهُ عَلَىٰ أَذُنِمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِنَ اللَّهِ لَيَقُولُنَّ لَيَكُنَّ كُنْتُ مَعَهُمْ فَافُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا (پٹا - النساء غ)

پھر اگر تم پر کوئی مصیبت آپڑے تو لگے کہنے کہ خدا نے مجھ پر احسان کیا کہ میں ان کے ساتھ موجود نہ تھا۔ اور اگر تم پر خدا کا فضل ہو تو بول لٹھے کہ اے کاش! میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو مجھ کو بھی بڑی کامیابی ہوتی۔

بلکہ اگر فریق مخالف کو فتح ہوتی تو ان کو ممنون کرنے کی کوشش کر ڈالتے کہ ہم نے تم کو ان کے چنگل سے چھڑایا۔

فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ وَإِنْ كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَعِذْكُمْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعُكُمُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (پٹا - النساء غ)

تو اگر اللہ کے کرنے سے تمہاری فتح ہو گئی تو کہنے لگتے ہیں (کیوں جی!) کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ اور اگر کافروں کو فتح ہوئی تو (ان سے) کہنے لگتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہیں ہو گئے تھے اور تم کو مسلمانوں

رکے چنگل سے چھڑایا نہیں تھا؛

قرآن نے ان لوگوں کی کچھ عام نشانیاں بھی ذکر فرمائی ہیں۔ مثلاً یہ کہ مصیبت، بے انصافی اور حرام خوری میں بالکل بے باک ہوتے ہیں۔

تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَسَارِعُونَ فِي الْأَثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ الشَّحْتِ ط (پ - المائدہ ۸۴)
ان میں سے بہتوں کو آپ دیکھیں گے کہ گناہ کی بات، ظلم اور حرام خوری پر گرے پڑتے ہیں۔
بلکہ ان کج خلقوں کی یہ کیفیت ہے کہ، اگر کوئی فائدہ پہنچ جائے تو اس کا کریڈٹ خود لے لیتے ہیں
اگر کوئی آپس آجائے تو اس کو اللہ والوں کی نحوست تصور کرنے لگ جاتے ہیں اور ان کو مختلف حیلوں
بازوں سے بدنام کرتے ہیں۔

بَاذًا جَاءَ مِنْهُمْ الْحَسَنَةُ فَأَنَالَهَا هَذِهِ ۖ وَرَأَتْ تُصِبُّهُمْ سَيِّئَةً يَخْتَرِعُونَ بِمُوسَى وَمَنْ
مَعَهُ (پ - اعراف ۶)

تو جب ان کو فائدہ پہنچتا تو کہتے یہ ہمارا حق ہے (اور ہماری بدولت پہنچا) اور اگر ان پر کوئی
مصیبت آتی تو موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست سمجھتے۔

یہاں تک کہ اگر بات خواہش کے مطابق نہیں ہوتی تو اڑ جاتے ہیں اور اللہ والوں کو جھٹلاتے
ہیں یا قتل کر دیتے ہیں۔

أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْتَدُونَ أَنْفُسُكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ ۖ فَفِرِّيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِّيقًا
تَقْتُلُونَ (پ - ع)

(تم اس قدر شوخ ہو گئے ہو کہ) جب بھی تمہارے پاس کوئی رسول تمہاری اپنی خواہشوں کے
خلاف کوئی حکم لے کر آیا تم اکڑ بیٹھے، پھر بعض کو تم نے جھٹلایا اور بعض کو لگے قتل کرنے۔
ان کی خفیہ میٹنگیں بھی ہوتی ہیں تو وہ محض راہ حق میں روڑے اٹکانے کے لیے۔

أَلَمْ تَسْأَلِ الْمَلٰٓئِكَةَ يُعٰوِذُونَ بِمَا هُمْ عَنْهُ وَيَتَنَاجَوْنَ بِأِلٰهٍ سِوٰهٖ
الْعُدُوّٰانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ر (پ - مجادلہ ۲)

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو خفیہ میٹنگیں کرنے سے روکا گیا تھا، پھر جس سے ان کو
روکا گیا تھا لوٹ کر وہی کرتے ہیں اور خفیہ میٹنگ بھی کرتے ہیں (تو گناہ کی، زیادتی کی اور رسول
کی نافرمانی کی۔

الغرض، جو اسلام کا دم بھرتے ہیں، اس کے باوجود اگر ان کے سٹیکنڈ سے وہی رہیں، جو اللہ کے

نافرمانوں کے ہو سکتے ہیں تو غور فرمائیے! اس نافرمانی کو کوئی کیسے مسلمان تصور کرے۔ یہاں تک کہ ان تمام حماقتوں کے باوجود وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہوں کہ یہ خدا کے مقبول لوگ ہوں جیسا کہ یہود و نصاریٰ کا حال تھا کہ کرتے سب نامناسب اور ایمان گمشدہ حرکتیں مگر دعوے کرتے کہ ہم خدا کی روحانی اولاد اور محبوب بندے ہیں۔

قَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ رِجْتَ۔ (المائدہ ۷۸)

اس پر خدا ان سے پوچھتا ہے کہ اگر یہ بات ہے تو پھر تمہیں جو تے کیوں پڑتے ہیں۔
قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُم بِذُنُوبِكُمْ (مائدہ ۷۹)

قارئین سے درخواست ہے کہ آپ ان تمام تصریحات اور انکشافات کو جو قرآن پیش کر رہا ہے اپنے ماحول، اپنی ذات، اور اپنے سیاسی رہنماؤں پر منطبق کر کے دیکھیں کہ کیا ان میں اور ان میں کچھ تفادوت رہ گیا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر آپ کو غور کرنا چاہیے کہ اب یہ کاٹنا بدن چاہیے یا اس کے بد نتائج کا مزہ چکھنے کے لیے مزید تیاری کر لینی چاہیے؟ بہر حال آپ دل سے یہ خیال نکال دیں کہ آپ اس اسلام کے حامل ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ کے توسط سے پیش فرمایا تھا۔ اگر ہم یہ کہیں کہ اگر حضور دیکھ لیں تو ضرور بول اٹھیں گے۔
فَسُحُوقًا سُهُقًا تَمِيزُ احْدَثَ بَعْدِي اَوْ كَمَا قَالُوا

اے متجددین! دفع ہو جاؤ!

اصل اسلام کا تقاضا ہے کہ: قرآن و سنت کے سامنے ہتھیار ڈال دیے جائیں اور اس کے باب میں کسی سے پوچھنے کی تحریک ہی دل میں پیدا نہ ہو۔
حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور نے فرمایا کہ دنیا چاہتے ہو یا اللہ اور رسول کو؟ جا کر اپنے والدین سے مشورہ کر لو!

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں والدین سے مشورہ کروں؟ (او غو! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟)

اَفَیْئَتُکُمْ یَا دُسُلُ اللّٰہِ اَسْتَشِیْعًا یُوحِیْ؟ بَلْ اَخْتَارَ اللّٰہُ دَرَسُوْلَہٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَۃَ (مسلم)

یا رسول اللہ! کیا آپ کے سلسلے میں والدین سے مشورہ کروں؟ (او غو! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟)

بلکہ میں اللہ، اس کے رسول اور (دنیا کے بجائے صرف) آخرت کو اختیار کرتی ہوں۔

باقی رہے بہانے؟ یہ بہانے ہی رہیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ مسلمان مجبوراً مشرکین کے ہمراہ میدانِ جہاد میں شریک ہوئے، دل میں اسلام تھا مگر کمزور تھے گو مسلمانوں

کے خلاف تکرار بھی نہیں اٹھائی تھی تاہم ان کو عدوی قوت بہم پہنچائی ، جب مسلمانوں کے تیروں سے وہ کھیت ہو رہے تو فرشتوں نے پوچھا کہ تم کس مال میں تھے ، بولے کمزور اور بے بس تھے ۔ فرشتوں نے کہا کہ سچا ! کیا اس سے بھی کمزور تھے کہ وہ خطہ ہی چھوڑ دیتے ۔ **فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی ، اِنَّ الَّذِیْنَ تَوْفَّعْتُمْ اَنْفُسَکُمْ ظَالِمِیْنَ اَنْفُسِهِمْ** (بخاری)

الغرض اپنے منہ میاں ٹھوبن کر اس نامراد مسلمان کی باوجود اگر ہم اپنے کو مسلمان کہتے رہے اور نامسمانی کے سلسلے میں ادھر ادھر کے حیلے تراشتے رہے تو یقین کیجیے : ان میں سے کوئی بھی چیز کام نہیں آئے گی اور نہ ہم اس نفع سے نکل پائیں گے جس میں آج پورا عالم اسلام مبتلا ہے ، بلکہ نہر نامسمانی کی پار ہے ہیں ۔ لیکن دنیا یہ تصور کرنے لگی ہے کہ :

مسلمان ، مسلمان کی سزا پا رہے ہیں ۔ گویا کہ ہم نہ صرف سزا پا رہے ہیں بلکہ اسلام کو بھی بدنام کر رہے ہیں ۔ **اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ** ۔

ہاں آپ یہ فرما سکتے ہیں کہ بیشتر آیات کا تعلق کفار اور منافقین سے ہے ، ہم بھی اس سے اتفاق کرتے ہیں ، اور اس کی وجہ بھی صرف یہی ہے کہ ، اس وقت ایسے کام کفار اور منافقین ہی کیا کرتے تھے مسلمان نہیں کرتے تھے ۔ اب مسلمان بھی کرنے لگ گئے ہیں ، اصل بات کام کی ہے نام کی نہیں ہے ۔ کافر ہو کر اگر ایسا کریں تو ان پر کوئی الزام نہیں کیونکہ وہ اس کو مانستے ہی نہیں ، الزام تو مسلمانوں پر ہے کہ مان کر وہ کام کرتے ہیں جو نہ ماننے والے کیا کرتے ہیں ۔ یہ تو بے انصافی ہے کہ پرانے کریں تو گردن زدنی اپنے کریں تو سب خیر خدا سے بہر حال اس بے انصافی کی توقع کرنا خدا نا فہمی کی بدترین مثال ہے ۔

حرم کے عظیم پاسبان اور کتاب و سنت کے بیدار چشم دربان

حضرت شاہ فیصل رحمۃ اللہ علیہ شہید ہو گئے

..... اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ

۲۵ مارچ - پاسبان حرم اور سعودی عرب کے فرمانروا شاہ فیصل بن عبدالعزیز ایک قاتلانہ حملہ میں شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ!

فرمانروائے حجاز پرانے کے بھتیجے شہزادہ فیصل بن سعد بن عبدالعزیز نے نہایت قریب سے ریوا لور سے متعدد گولیاں چلائیں۔ (نوائے وقت ۲۶ مارچ)

قاتل شاہ فیصل علیہ الرحمۃ کا بھتیجا ہے، جب وہ کمرے میں داخل ہوا۔ اس وقت شیخ عیانی اور شیخ کاظمی شاہ کے کمرے میں داخل ہونے والے ہی تھے، قاتل نے باڈی گارڈوں کو ایک طرف دھکیل دیا اور دروازہ کھول کر کمرے میں جا پہنچا۔ باڈی گارڈوں نے زیادہ مزاحمت اس لیے نہ کی کہ وہ شاہ کا بھتیجا ہے، قاتل کے تیور بھانپ کر چیف آف پروٹوکول احمد عبدالوہاب نے اسے روکنے کی کوشش بھی کی لیکن وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ شاہ فیصل المظہم حسب روایت اپنے بھتیجے کو بوسہ دینے کے لیے آگے بڑھے۔ اس نے گولی چلا دی جو شاہ فیصل کے سر پر لگی، شاہ گرنے لگے تو اس نے ایک اور گولی چلا دی جو گردن میں شاہ رگ کے قریب لگی، دوسرے فائر کی آواز پر باڈی گارڈ اندر پلکے۔ (نوائے وقت ۲۸ مارچ)

اس سے پہلے (۲۶ مارچ) یہ خبر دی گئی تھی کہ شاہ فیصل دربار لگائے ہوئے تھے اور شہزادہ انھیں عید میلاد کی مبارک باد دینے آیا اور انھیں گولی مار دی..... محافظوں نے اس سے کہا کہ وہ میٹنگ ختم ہونے کا انتظار کرے لیکن اس نے پرواہ نہ کی (۲۸ مارچ۔ نوائے وقت) لیکن مصر کے کثیر الاشاعت روزنامہ "الانبار" نے ان اطلاعات کو غلط قرار دیا ہے کہ قاتلانہ حملہ شاہی محل میں محفل میلاد کے دوران کیا گیا۔ (۲۸ مارچ۔ نوائے وقت) تازہ اطلاع یہ آئی ہے کہ:-

شکل کو شہزادہ فیصل عین اس وقت محل میں پہنچا جب کویت کا ایک وفد ایک وزیر کی قیادت میں شاہ فیصل کے پاس موجود تھا، اس کو بتی وزیر تھے ۱۹۶۹ء میں شہزادہ فیصل کے ساتھ کولمبو یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی تھی اور دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ شہزادہ فیصل نے محل میں داخلے کے لیے بھی بیان تراشا تھا کہ وہ اپنے کویتی درست سے ملنا چاہتا ہے۔ (نوائے وقت ۲۲ اپریل)

شاہ فیصل کے قاتل کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ وہ کیونٹ نظریات کا حامی ہے اور سرخ شہزادہ کے نام سے مشہور ہے اور وہ ایک خفیہ ریڈیو شیش سے سعودی عرب کی رجعت پسند بادشاہت کے عنوان سے پروپیگنڈہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا رہا ہے۔ بیروت کے اخبار ٹلا اور سنٹ کے مطابق شہزادے کے کارڈرائیور کو بھی حراست میں لے لیا گیا ہے، جس وقت شہزادہ تاتلانہ حملہ کے لیے محل میں داخل ہوا وہ کار کو ادھر ادھر اس انداز میں چلاتا پھر رہا تھا جیسے وہ محل کا محافظ ہو (نوائے وقت مارچ) شاہی خاندان نے ولی عہد خالد بن عبدالعزیز کو متفقہ طور پر نیا بادشاہ منتخب کر لیا ہے اور شہزادہ فہد بن عبدالعزیز کو ولی عہد بنا دیا گیا ہے۔ (نوائے وقت ۲۶ مارچ)

اگلے دن مرحوم کو بعد نماز عصر ریاض کے مرکزی قبرستان میں ان کے والد شاہ ابن سعود کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ تدفین کے وقت ہزاروں بدو بھی موجود تھے، جب میت لحد میں اتاری گئی تو انھوں نے بھی دعا کی۔

”اے خدا! ہمارے روحانی باپ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرما“ (امروزہ ۲ مارچ)

شاہ فیصل موعداور متبع سنت تھے

شاہ فیصل درویش، شب زندہ دار، موعداور متبع سنت بادشاہ تھے۔ سرکش نہیں تھے۔

درویشی کا یہ عالم کہ: شاہی محل کے بجائے ہمیشہ ایک سادہ سے مکان میں رہائش رکھی، یہی حال ان کے دفتر کے کمرے کا تھا۔ ایک دفعہ ان کی خواب گاہ کے ملحقہ غسل خانے میں بہت قیمتی سامان لگایا تو تو آپ نے اسے نکلوا دیا اور کہا کہ:

”ہم سادہ لوگ ہیں ہمیں سادہ چیزیں چاہئیں۔“

سادگی کا یہ رنگ قبر تک قائم رہا، چنانچہ اب بھی وہ ایک بے نام و نشان قبر میں ہی محو خواب ہیں۔ اخباری رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ:

شاہی قبرستان کے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی دیواریں ہیں جو ریاض کے فواح میں واقع ہے۔ اس چار دیواری کے اندر بے نام و نشان قبریں ہیں جن میں شاہی خاندان کے دیگر افراد مجبوراً ہیں، سعودی روایات کے مطابق ان کی قبروں پر کتبہ ہے نہ لوح، بلکہ یہ قبریں بھی عام شہریوں کی قبروں کی طرح ہیں۔ ان قبروں پر سنگ مرمر کا کوئی کتبہ یا لکڑی پر کندہ کوئی تحریر نہیں اور نہ کوئی نشان ہے جس سے قبر میں مجبوراً م شخصیت کا پتہ چل سکے (نوائے وقت ۲۰ مارچ)

سعودی دارالتاج و تخت کو تاج نہیں پہنایا جاتا۔ بلکہ نہایت سادگی سے ان کی امارت کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔ (وفاق)

دوپہ کا کھانا کھاتے تو عام ستری معمار وغیرہ کو جو اس وقت موقع پر موجود ہوتے، شریکِ طعام کر کے تناول فرماتے (وفاق)

یعنی شاہیوں کا کہنا ہے کہ۔

شاہ بڑے تمجد گزرا اور خدا کے حضور گریہ و زاری کرنے والے انسان تھے۔ ان کی آنکھیں ہمیشہ پُر نم رہتی تھیں، اشک بار رہنے کی وجہ سے ان کی آنکھوں کے نیچے گڑھے پڑ چکے تھے، دو تین سال ان کی کیفیت میں عجیب تبدیلی رونما ہو چکی تھی، ان پر آخرت کا خوف بے پناہ حد تک طاری ہو چکا تھا اور وہ ہر دم موت کو یاد کرتے رہتے تھے۔

نیز کہا کہ۔

شاہ پوری نماز ادا کرنے کے بعد، اللہ کے حضور ایک طویل سجدہ کیا کرتے تھے، اس میں وہ تمام دعائیں دہراتے تھے جو سلطان عبدالعزیز نے ایک مجبوعے کی صورت میں مرتب کی ہیں (نوائے وقت ۲۰ مارچ)

آپ کو شخصیتوں کے بجائے اصولوں سے محبت تھی، جن کا جامع نام اسلام ہے۔ جہاں اسلامی حیا، غیرت اور کردار کا فقدان ہو تا وہاں ان کا جواب صاف ہوتا کہ۔

إِنَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَمَتَاعُنَا لَدُونِ مَنْ دَعَا إِلَهُهُ۔

لاہور میں اسلامی سربراہی کانفرنس کے موقع پر ایک دعوت میں شیخ مجیب الرحمن، شاہ فیصل کے ایک طرف اور سٹر بھٹو دوسری طرف بیٹھے تھے، شیخ مجیب نے ٹکڑے کے طور پر شاہ فیصل سے کہا کہ آپ بھٹو سے میری نسبت زیادہ محبت کرتے ہیں، شاہ فیصل نے کہا۔

اس میں شک نہیں کہ میں پاکستان سے محبت کرتا ہوں، مجھے محبت بھٹو یا مجیب سے نہیں، پاکستان سے ہے جو پاکستان کے لیے کام کرے مجھے اس سے محبت ہے اور جو پاکستان کی مخالفت کرے مجھے

اس سے کس طرح محبت ہو سکتی ہے۔ (دفاق، ۲۸ مارچ)

پروذیسر غلام افظم نے حالیہ حج کے موقع پر شاہ فیصل سے ملاقات کی امدان سے دریافت کیا کہ آپ نے بنگلہ دیش کو تسلیم نہیں کیا..... آپ کے اس اقدام کا سبب کیا ہے؟ شاہ فیصل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

میں بنگلہ دیش کی تقسیم کو کتنا ہمدرد، محیب خواہ اسلامی ریاست کا ایک حصہ کاٹنے کے بعد اس کو لادینی ملکیت قرار دے دیا ہے۔ جب تک محیب یہ اعلان نہ کر دے کہ بنگلہ دیش اسلامی ریاست ہے، میں اسے کبھی تسلیم نہیں کروں گا۔ (دفاق، ۲۸ مارچ)

جب ہم نے شاہ فیصل رحمۃ اللہ علیہ کا یہ غیرت مندانہ بیان پڑھا تو شرم سے ہماری گردن جھک گئی، کیونکہ پوری قوم کی مرضی کے علی الرغم دینی غیرت اور ملی حمیت کے برعکس مٹر بھٹو نے عالم اسلام کے تمام سربراہوں کی موجودگی میں اسے تسلیم کرنے کا اعلان کیا تھا۔ انا اللہ!

آپ کے نزدیک یہ اصول برحق "صرف دوستی اور دشمنی یا اخذ و ترک کا معیار نہیں تھا بلکہ آپ کے نزدیک یہ دینی، تمام مکالمہ حیات اور معراج زندگی کا ضامن بھی ہے۔" ۱۹۶۶ء میں دورہ پاکستان کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا۔

ہم اے دین اور اس کے قوانین میں وہ سب کچھ موجود ہے جو ہمیں ان کمتر نظریات کو در آمد کرنے سے بے نیاز کر سکتا ہے، جسے محض انسانوں نے تیار کیا ہے، کیونکہ اسلام خدا تعالیٰ کا قانون ہے جسے اس نے اپنے پیغمبر پر نازل کیا اور وہ اپنی تخلیق کے مفادات کو بہتر طور پر جانتا ہے۔

شاہ ایران کی طرف سے دیے گئے عشائیہ میں شاہ فیصل نے کہا: اعلیٰ حضرت! ہمارا مذہب ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ ہم ترقی کریں اور آگے بڑھیں اور اعلیٰ روایات اور بہترین اطوار کا بار اٹھائیں، آج کے دور میں جس چیز کو ترقی پسندی کہا جاتا ہے اور جس کے لیے مسلمین شور مچاتے ہیں، خواہ یہ ترقی سماجی، انسانی یا اقتصادی ہو، دین اسلام اور اس کے قوانین میں مکمل طور پر جو ہے لیکن اس کے لیے ضرورت ہے کہ ہم اسے اپنے مذہب میں تلاش کرنے کی زحمت گوارا کریں۔ (دفاق، ۱۹۶۶ء)

۱۹۶۶ء میں جب آپ کی تخت نشینی ہوئی تو آپ نے اعلان کیا کہ:

میں جس دستور کی پابندی اور نفاذ داری کا حلف اٹھاتا ہوں وہ قرآن ہے، ہمارا دستور قرآن ہوگا اور ہم اپنی زندگی اور سلطنت کے امور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق طے کریں گے (زائے وقت، ۲۴ مارچ)

آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ معروف لفظوں میں سعودی حکومت کا کوئی مدون دستور نہیں ہے کیونکہ ان کا دستور قرآن و سنت ہے اور وہ صدیوں پہلے موجود ہے۔ باقی رہا قرآنی آئین اور دستور کو کیوں مدون اور مرتب نہیں کیا گیا؟ تو صرف اس لیے کہ اس میں اجتہاد کو بھی دخل ہوتا ہے جس طرح حضرت اہم مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا مالک کو عباسیہ مملکت کا ملکی دستور بنانے کی اجازت نہیں دی تھی اسی طرح انھوں نے بھی اپنی طرف سے کوئی چیز مسلمانوں پر مسلط کرنے سے پرہیز کیا ہے بلکہ علماء اور قضاۃ کی صوابدید پر چھوڑا ہے کہ وہ ان کا کیا مفہوم متعین کرتے ہیں؛ ہمارے نزدیک اسلامی دستور کی یہ وہ خوبی ہے جو دنیا کے دوسرے دساتیر میں نہیں پائی جاتی۔

توحید کے سلسلے میں مرحوم انتہائی ذکی الجس واقع ہوئے تھے، جو بات حق تعالیٰ کے شایان ہوتی اسے کسی دوسرے کے حق میں استعمال کرنے سے نفرت کرتے تھے۔

میاں طفیل محمد امیر جماعت اسلامی نے بتایا کہ،

ہمارے دند کے ترجمان نے شاہ فیصل کو مخاطب کرنے کے لیے ”ہنرمیجسٹی جلالتہ الملک“ کے الفاظ استعمال کیے اس پر شاہ فیصل نے فوراً ٹوکا اور کہا کہ،

جلالتہ الملک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، میں نہ ہنرمیجسٹی ہوں اور نہ جلالتہ الملک، میں مسلمانوں اور اسلام کا ادنیٰ خادم ہوں اور یہ میری خوش بختی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کا موقع عطا فرمایا ہے اور میں حرمین شریفین کی خدمت کر رہا ہوں (دفاق)

۱۹۶۲ء میں جب شاہ فیصل علیہ الرحمۃ کی تخت نشینی ہوئی تو سعودی وزیر اطلاعات نے ریاض ریڈیو سے دو ایسے لفظ استعمال کیے جو شاہ فیصل کے اسلامی احساسات کے منافی تھے۔ ایک خطاب ”جلالتہ الملک“ کا دوسرا مملکت سعودیہ کے تخت کو ”عرش المملکتہ السعودیہ“ سے تعبیر کیا۔ حضرت علیہ الرحمۃ نے ان دونوں لفظوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ،

کوئی انسان ”جلالت آب“ نہیں ہے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ جل جلالہ کو جلال و عظمت سزاوار ہے اور اس کائنات میں اللہ کے عرش کے سوا کسی کا کوئی عرش نہیں ہے، میں اللہ کا عاجز بندہ ہوں اور مسلمانوں کی خدمت میرے پیر کی گئی ہے۔

مدینہ یونیورسٹی کے طلبہ اور اساتذہ کے پاسنامے کا جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

میں جامعہ کے نائب صدر کے اس بیان کا حوالہ دینا چاہتا ہوں جس میں انھوں نے مجھے ایمان والوں کا بادشاہ کہا ہے، میں کہتا ہوں کہ میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا جتنے ایمان والوں کے بادشاہ

یا اسلامی خلفائے، میں ایمان والوں کا خادم ہوں اور مسلمانوں کا نوکر ہوں۔

چونکہ اخبارات "جلالۃ الملک" کا نقب برابر استعمال کرتے رہتے تھے اس لیے آپ وقتاً فوقتاً اس پر ٹوکتے رہتے تھے۔ ۱۹۷۴ء کی اسلامی کانفرنس کے موقع پر وفد کے ترجمان جناب کمال الشریف نے اپنی تقریر میں جلالۃ الملک کا لفظ استعمال کیا، تقریر کے بعد شاہ فیصل علیہ الرحمۃ نے کہا کہ مجھے اس تقریر پر براہ اعتراض ہے کہ مسلمانوں کے ایک ادنیٰ خادم کو جلالۃ الملک کہا گیا ہے جو کسی لحاظ سے درست نہیں ہے۔ (زائے وقت ۲۰ مارچ)

الغرض، شاہ فیصل رحمۃ اللہ علیہ ایک بندہ خفیف، آواہ، بندہ غیور، ملت اسلامیہ کے عظیم رہنما اور مسلمانانِ عالم کے روحانی باپ تھے، ہمارے سر سے ان کے سایہ رحمت کے اٹھ جانے سے ہم یتیم ہو گئے ہیں۔

قبرص کے مسلمانوں پر کوئی آپنج آئے یا کشمیری مسلمانوں کے مستقبل کا سوال اٹھے، فلسطین کی آزادی کا قلعہ ہو یا صیہونیت کی یورش سے عالم عرب کو بچانے کی کوئی بات ہو، پاکستان کے خلاف بھارت کی شرارتیں ہوں یا بنگلہ دیش کی بے حیثی کا کوئی واقعہ ہو۔ اریٹیریا کے مسلمانوں کا المیہ ہو یا فلپائنیوں کا آپ بہر مال بے چین ہو جاتے تھے، مرحوم ایک خدا ترس، غریب پرور، دینی تحریکیوں کے سرپرست و مدتِ ملی کے نقیب اور عالمِ اسلام کے علمگار تھے۔

پاکستان پر جو بیت رہی ہے اور جن خطرات میں وہ گھرا ہوا ہے، مرحوم کو اس کا شدید صدمہ تھا، جب سقوطِ ڈھاکہ کا سانحہ پیش آیا تو صدمہ کی شدت سے ان کی آنکھیں دیر تک اشکبار رہیں اور وہ کئی راتوں تک سو نہ سکے۔ کہتے ہیں کہ ایک دوست نے سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد شاہ سے کہا کہ:

”اب شاید پاکستان کے لیے خود پاکستان کے اندر بھی کوئی نہ رونے والا نہ ہو۔“
شام نے کہا کہ:

”میں اس لیے روتا ہوں کہ شاید پاکستان کے لیے اب اور کوئی رونے والا نہیں رہا۔“
شاہ فیصل رحمۃ اللہ علیہ حرم کے عظیم پاسبان اور کتاب و سنت کے بیدار چشمِ دربان تھے اور شایانِ شان تھے، ان کی شہادت سے ہمیں سخت دکھ ہوا ہے، خدا کے لیے تو کوئی بات بھی مشکل نہیں، تاہم بظاہر فی الحال مستقبل قریب میں اس کی تلافی ہمیں بہت ہی مشکل نظر آتی ہے۔

پاسبانِ حرمِ نغمہ اللہ برحمتہ

بجھ گئی اک اور شمعِ محفلِ جانانہ آج
گفتانِ دہرین کر رہ گیا ویرانہ آج
ہو گیا خالی چمک کر صبر کا پیمانہ آج
کل تھا سب کا آشنائے سب ہے بیگانہ آج
دوڑتا پھرتا تھا جو، وہ چل بسا دیوانہ آج
چل دیا خود توڑ کر سم سے دہی یارِ نہ آج
قتل اس کو کر دیا ظالم نے بے باکانہ آج
چل بسا وہ عالمِ اسلام کا فرزانہ آج
ہیں کہیں ایسے نقوشِ محبت مردانہ آج
کیوں نہ پھر جمہور ڈھونڈے اس کو بتا بانہ آج
ہر حقیقت بن گئی اس کی بس اک افسانہ آج
رہ گیا قربان ہو کر خود ہی مظلومانہ آج
چل دیا منہ ڈھانپ کر وہ رونقِ کاشانہ آج
سو رہا ہے قبر میں ہر درد سے بیگانہ آج
چل بسا وہ چھوڑ کر سب شوکتِ شامانہ آج
کر گیا جامِ شہادت نوش وہ مستانہ آج
اس نے اپنی جان کا بھی دے دیا نذرانہ آج
اٹھ گیا دنیائے دلوں سے اس کا آبِ دانہ آج
موت پر گریاں ہے اس کی اپنا اور بیگانہ آج
کتنی آنکھیں ڈھونڈتی ہیں اس کوشتانہ آج
پُر ہو جو خالی ہوئی ہے مسندِ شامانہ آج

جل رہا ہے آتشِ حسرت میں ہر پردانہ آج
پھولِ افسردہ، کل پڑمردہ، خنچے سرنگوں
خون ہو کر بہہ گیا دل دیدہ بے تاب سے
آہ وہ سلطانِ فیصل، وہ حرم کا پاسبان
وعدتِ ملی کے غم میں گوبہ گو دیوانہ وار
دے رہا تھا جو ہمیں کل تک پیامِ دوستی
آہ کل تک جو صدائے ہر دلِ مظلوم تھا
اتحادِ باہمی جس کے تدبیر کا نشان
یہ فروغِ علم دیں، یہ شانِ ترقیِ حرم
بادشاہی جس کی تھی صد غیرتِ جمہوریت
ہر فسانہ جس سے کل تک تھا حقیقتِ آشنا
حق دلاتا تھا جو ہر ظالم سے ہر مظلوم کا
اک جھلک جس کی دوائے دردِ چشمِ شوقِ تعنی
جس کا دل مومن کے دل کے درد سے بریو تھا
جس کے سر پر فخر کرتا تھا جہاں بانی کا تاج
ہر گھڑی جو نغمہ تو حید سے سرشار تھا
وقف تھے جس کے خزانے ملکِ ملت کے لیے
بن گیا تفسیرِ کل مَنْ عَلَيْهِمَ خَاتَمُ
ہے یہ بے شک اس کے مَحْنِ خلق کی زندہ مثال
تو ہی اس کے غم میں اسے عاجز نہیں اور نزار
شاہِ خالد، شاہِ فیصل کے ہوں سچے جانشین

سُورَةُ بَقَرَةَ

(قسط ۱۲)

قَالُوا اتَّجَعَلُ فِيهَا مَنْ يَفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ
(لو فرشتے بولے کیا آپ زمین میں ایسے شخص کو (خلیفہ) بناتے ہیں جو اس میں فساد پھیلائے اور خونریزیاں کرے

لہ اَتَجْعَلُ (کیا آپ بناتے ہیں، کیا بنانے لگے ہیں) جَعَلَ چار معنوں میں مستعمل ہے (۱) بمعنی طَفَعَت (شروع کرنے لگے ہیں) (۲) اَفْجَد (پیدا کیا) یہاں پر یہ دونوں معنی صحیح ہیں (۳) ایک چیز کو دوسری شے سے بنانا (۴) تصییر (کسی شے کو ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل کرنا)

اللہ نے فرشتوں سے بات کی تھی کہ میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں، فرشتوں سے مشورہ نہیں تھا، بلکہ روئے زمین پر انقلاب قیادت کا ایک شاہی اعلان تھا۔ نیابت کے اس تصور کے معنی ع بعد از خدا بزرگ توئی کہتے تھے، ظاہر ہے یہ وہ مقام قرب ہے، جس پر پہلے ملائکہ فائز تھے، اس لیے اگر اس پر ملائکہ کو حیرت ہوئی یا رشک، تو یہ ایک قدرتی بات تھی، ملائکہ معصوم عن الخطاء تو ضرور ہیں لیکن پتھر نہیں ہیں کہ ان کے اپنے کچھ احساسات نہ ہوں، ان کو اس اعلان پر جو تشویش ہوئی وہ ہونی چاہیے تھی۔ اور بالکل یوں جیسے اپنے حبیب کے سلسلے میں ایک دیوانہ کو ہو سکتی ہے، گوفہ چاہتا ہے کہ سب ہی اسے چاہیں لیکن حبیب تک پہنچنے کا واسطہ بھی وہی رہیں، ظاہر ہے ہزار عالی ظرفی کے باوجود ایک دیوانہ کے لیے یہ ایشیا رگوارا نہیں ہوتا۔ ہاں اگر اسے حبیب کا اشارہ ہو جائے کہ میں یہی پسند ہے تو پھر اسے اس پر بھی معراج وصال محسوس ہونے لگ جاتی ہے (فسجدوا) بس اس قصے میں بھی یہی معنوی اقدار کار فرما ہیں۔ ملائکہ کا خدا سے ابنِ آدم کی سرشت اور اپنی فطرت کا موازنہ پیش کرنا،

داصل اپنے قدرتی استحقاق اور مقامِ مقرب و دوصل کے سلسلے میں اپنی حسرت کا اظہار تھا۔ ہمارے نزدیک یہ بے چینی ”خطا“ نہیں، عین عبادت ہے۔ کیونکہ یہ سبھی کچھ اسے ہی چاہنے کے لیے تو ہے۔ ان کو فکر ہے تو یہ کہ محبوبِ برحق کے پاس پہلے ہم تھے اب وہ ہوں گے۔ بہر حال یہ فکر اور احساسِ مطلوب بھی اود محمود بھی۔ اس لیے یہ بھی ایک گونہ عبادت کہلاتی۔

ملائکہ نے اللہ تعالیٰ سے بطور استعجاب کے کہا کہ: جسے نیابت پر فائز کیا جا رہا ہے، وہ تو بہت ہی خود غرض ہوگا، اس لیے فساد فی الارض اور خونریزی بھی ہوگی، دراصل فرشتے یہ اعتراف نہیں کر رہے ہیں بلکہ اپنے جذبات کا اظہار فرما رہے ہیں کہ تیرے مقامِ قدس میں ان کی یہ شواخی سودا بی محسوس ہوتی ہے، جیسا کہ ملائکہ پر ہر معصیت سے انقباضی کیفیت طاری ہوتی ہے، یہاں بھی ہوتی۔

داصل یہ بات ان کی صالح فطرت اور پاکیزہ سرشت کی غماز ہے بغضِ باطن کی بات نہیں۔ بغض اور انقباض کی بھی جو کیفیت ہے وہ بھی الحب للہ و البغض للہ کی آئینہ دار ہے، اغراضِ سیئہ کی پیداوار نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک یہ نفسیات مبارک ہوتی ہیں اور ترقی درجات کی موجب بھی۔

ملائکہ کا کہنا ہے کہ تیری پاک جناب میں پاک بندوں کی حاضری سمجھتی ہے، یہ بات بالکل سچا ہے اور عشاقِ برحق کے احساسات کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ اپنے حبیب کے سلسلے میں انہی آداب کا التزام رکھیں اور انہیں کیفیات کے متمنی رہیں۔ اس لیے انھوں نے خدا سے درخواست کی کہ الہی! انہی آداب کے ساتھ تو صرف ہم ہی آپ کے حضور حاضر رہتے ہیں ان کو ہمارے بجائے آخر کس لیے برداشت کیا جا رہا ہے؟ الہی! تیرے حضور وہ یہ نہیں رہیں؟ ہم با ادب خدام سے یہ بات نہیں دیکھی جاسکتی، خدا یا! تیرے لیے، اور صرف تیری ہی خاطر ہماری جان پر بن جاتی ہے۔

حق تعالیٰ نے فرشتوں کے اندیشوں کو رد نہیں کیا، لیکن اس پر جو بات انھوں نے متفرع کی یا اس پر جو نتیجہ مرتب کیا اس کے متعلق وضاحت فرمائی کہ، اس کے باوجود اس کی تخلیق میں جو حکمت ملحوظ ہے وہ آپ کے سامنے نہیں ہے (افی اعلمو ما لا تعلمون)

یعنی ارض و سما میں پہلے جو نظام قائم تھا، وہ سرتاپا نیکو بنی تھا، تشریف نہیں تھا، پھول تھے، کانٹے نہیں تھے، سفر تھا اختتام نہیں تھا، کام تھا، انجام نہیں تھا، عرفان تھا، امتحان نہیں تھا، قدرت تھی اختیار نہیں تھا۔ اتباع تھی، تخلیق نہیں تھی، کسی کی سوچ پر زندگی رقصاں تھی، اپنی سوچ کا دخل نہیں تھا، سوچ کی صلاحیت تھی تو خود مختار نہیں تھی، عبدیت تھی، حریتِ فکر سے آراستہ نہیں تھی، عقدے تھے عقدہ کشائی کا جنون نہیں تھا، تقلید تھی، نفوذ سے نگاہ خالی تھی، سراپا تسلیم خود کی دنیا آباد تھی، لیکن

احساس و جذبات کی زبان سے بے خبر تھی، خاک کے تھے، ان میں رنگ بھرنے والا کوئی نہیں تھا، لوٹے
 دلاؤ بنی پٹیں موجود تھیں، قوتِ شامہ مفقود تھی، نگہ نواز رنگ سے دنیا بسی تھی، پرنگاہ ہی سرے
 سے معدوم تھی، سجد کی دادی نکلتی، کوئی دیوار نہ تھا، محل تو تھا، یلی نہیں تھی، باغ تھا پر مالی نہیں تھا،
 دل تو تھا مگر دلولہ نہیں تھا، دماغ تھا مگر پرواز نہ تھی۔ الغرض

تھی تو موجود ازل سے ہی تری ذاتِ قدیم

پھول تھا زیبِ چین، پر نہ پریشاں تھی نسیم

کاسماں طاری تھا۔ ان حالات میں خدا نے چاہا کہ ابنِ آدم کو پیدا کر کے کارزارِ حیات کو گرمادیا جائے
 باقی رہا یہ کہ ان میں عباد الرحمن کے ساتھ ساتھ، نفس و طاعت کے غلام بھی ہوں گے، تو ہوتے رہیں
 کسی کے بنائے جو خدا بنا ہوا سے تو فکر ہو سکتی ہے کہ، بے وفاقوں کی کثرت ہو گئی تو تحتِ اقتدار کیا
 بنے گا، لیکن جو ذاتِ کریم اپنی سب حیثیتوں میں ان سب سے بے پروا اور بے نیاز ہے، اس کو
 ان بے وفاقوں کی کیا فکر؟ آپوزیشن کی آواز سے وہ ڈرتا اور دبتا ہے جو کوئی غرض رکھتا ہے یا
 جس کی ہستی کا مدار کسی کے مٹانے اور بنانے پر موقوف ہوتا ہے۔ خدا تو ان سے بالاتر ہے۔
 بہر حال انسان کے بغیر زمین اور کسی کے معرفت کی چیز نہیں تھی، اور فرشتوں کے تمام اندیشوں کے باوجود
 اسے لا بسایا ادا کر دے بس گئے اور یوں بسے کہ اب اگر انھیں کوئی دیاں سے دھکیلے یا اس کا ان کو
 اندیشہ لاحق ہو جائے تو گلے پڑ جاتے ہیں۔ دفاع کی مدد تک تو مزاحمت مبارک ہے جس کا نہایت معصومانہ
 طریقے سے فرشتوں نے بھی مظاہرہ کیا۔ اس لیے اگر یہ بات عدم استحقاق کی بات ٹھہرتی تو بات خود
 فرشتوں کے لیے بھی حسبِ نشانہ رہتی۔

یہاں پر خدا کی نگاہ کم کے بجائے کیف پر ہے۔ بے روح محض عددی کثرت کا خدا کے ہاں
 کوئی وزن نہیں، اس کی نگاہ اس دل پر رہتی ہے جو خدا شناس ہوتا ہے۔ غرودوں سے بھرے بابل
 میں اگر ایک ہی حنیف، نمودار ہو گیا ہے تو تخلیقِ آدم میں جو حکمت ملحوظ تھی، خدا کے نزدیک اب اس
 کا بھی حق ادا ہو گیا۔ خدا کے ہاں گننے کی بات نہیں، تو نلنے کی ہے۔ بھاری بھر کم پہاڑوں کی تہوں
 میں جو ایک لعل نہاں ہے، وہ سارے پہاڑ پر بھاری ہے۔ اس لیے خیر و شر کی اس رزمگاہ
 میں تحریص و ترغیب کے پہاڑوں کو پھینک کر جو شخص صرف خدا یا بی کے لیے کوہ کنی کرتا ہے، خدا
 کے ہاں وہ فرما دے جو راہِ حق میں کوہ کنی میں مصروف ہے ان معصوم فرشتوں سے زیادہ قیمتی ہے جو کسی
 خارجی یا داخلی مزاحمت کے بغیر نگرینی طوہر پر اس کے حضور اس کے غلام رہے ہیں۔ اس کے علاوہ خدا

وَفَحْنُ تُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَتُقَدِّسُ لَكَ
اور (بنتے ہیں تو ہم کو بنائیں کہ) ہم تیری حمد و ثنا کے ساتھ تیری تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔

چاہتے ہیں کہ یہ زمین آباد رہے، سودہ نیک ہوں یا بد، بہر حال اپنی ضرورت کو اسے تو وہ ہر حال میں آباد رکھیں گے ہی۔ باقی رہی تعمیر کے ساتھ ساتھ تخریب؟ تو تعمیر کا یہ قدرتی داعیہ ہونا ہے جو حکمت کے منافی امر نہیں ہے بشرطیکہ تخریب سے کسی کی تخریب منظور نہ ہو بلکہ تخریب میں تعمیر ملحوظ ہو، اگر اس کے بجائے کسی کی تخریب کا جذبہ ہی کوٹ لے اور وہ پھر اسے خدا کی رضا کے لیے چھوڑ دے تو یہ بجائے خود نیکی بن جاتی ہے۔

مفسرین عظام رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر خاصی روشنی ڈالی ہے، کہ فرشتوں کو یہ کیسے محسوس ہوا کہ یہ انسان فساد فی الارض کا مرتکب ہوگا؟ ہمارے نزدیک صحیح تزیہ ہے کہ، ملائکہ صاحب اجتہاد بھی ہیں، گو حکم کے تابع ہیں مگر مشینی پرزے والی کیفیت نہیں ہے کہ ان کو اس کا شعور بھی نہ ہو۔ باقی رہی یہ بات کہ وہ بات کیا تھی، جس پر انھوں نے غور کر کے نتیجہ نکالا؟ ہم کہتے ہیں یہ بھی خدا جانے، کیونکہ قرآن و حدیث میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ جو باتیں بیان کی جاتی ہیں، وہ بزرگوں کے قیاس ہیں، جن سے پریمز ادنیٰ ہے، ورنہ غیر مختتم سوالات کا سلسلہ شروع ہو سکتا ہے۔
سَلَامٌ تَسْبِيحُ (تسبیح کرتے ہیں) تَقْدِيسٌ (تقدیس کرتے ہیں) دونوں میں فرق ہے، تسبیح یہ ہے کہ عیوب اور نقائص سے منزہ اور پاک قرار دیا جائے، زبان سے بھی اور دل سے بھی۔ تقدیس یہ ہے کہ اسے تمام محاسن اور خوبیوں کی جامع ذات والاصفات تصور کیا جائے۔

ملائکہ کے لیے تو یہ عین ممکن ہے کیونکہ ان کو قرب حضوری حاصل ہے، وہ ان تمام حقائق کا شاہد کرتے ہیں، جس کے بعد بے ساختہ زبان سے صدا بلند ہوتی ہے کہ الہی! تو بہر عیب اور نقص سے پاک اور تمام خوبیوں کا مالک ہے۔ ملائکہ حقائق کے بڑے جوہری ہیں، اس لیے ان شہادت کے بعد سبحان الملك القدوس (مثلاً) کی زبان میں جو داد دیتے ہیں، قابل غور ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ نے ان کی اس عبودیت اور تحسین کے دعوے کو غلط نہیں کہا بلکہ تسلیم کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ بہت ہی اونچے مقام پر فائز ہیں، کیونکہ یہ بہت بڑے جوہری ہیں اور اس باب میں اس کو درجہ استثنائے حاصل ہے لیکن خدا کے ہاں قرب و وصال کے لیے یہ سب سے آخری درجہ نہیں ہے بلکہ اس وقت یہ ثانوی درجہ رہ جاتا ہے جب کوئی شخص عالم ملکوت کی سیر اور انوار و تجلیات کے شاہدہ کے بغیر

حضرت "ماہر" (اس کا رخا نہ ہستی میں جو کچھ ان کے سامنے ہے) کے شاہدہ اور اپنی ذات کے مطالعہ سے زبان اور دل سے خدا کی تسبیح و تقدیس کے راگ الاپنا شروع کر دیتا ہے۔ کیونکہ یہاں عدم رسائی کے علاوہ مخالف تحریص و ترغیب کے دداعی کی مزاحمت بھی موجود ہوتی ہے مگر اس کے باوجود وہ ہاں پہنچ جاتا ہے، جہاں شاہدہ کے بعد اور پھر کسی مزاحمت کے بغیر ملائکہ کرام پہنچ پاتے ہیں۔

قلب و نگاہ کے اذعان، طمانیت اور ہموائی کے بغیر تسبیح و تقدیس کے زمزمے ہو سکتے ہیں کہ ایک صالح مشق اور مبارک ریپرسل ثابت ہوں اور آگے چل کر وہ واقعہ تسبیح خواں بھی بن جائے۔ بہر حال یہ حالات موجودہ وہ بے روح "ہی تصور کیے جائیں گے، اس لیے محسوس ہوتا ہے کہ مومن حقیقت پسند اور باذوق، ہستی کا نام ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں ہے تو وہ کامل مومن نہیں ہے۔

ہمارے نزدیک دورِ جدید کے ثقافتی اور ادیب جو ہم چلا رہے ہیں وہ بندہ مومن کے اسی مبارک ذوق کو فنا کرنے کے لیے ایک سازش ہے۔ یہ لوگ اس ذوق کی آبیاری میں مصروف ہیں جو بہیمیت اور نفس و طامغوت کے لیے تعیش کے دسترخوان بچھاتا ہے لیکن اس ذوق کی راہ مارتے ہیں جو انفس و آفاق کے مطالعہ اور شاہدہ کے بعد انسان کو خدا جوئی کے لیے یکسر گرم اور حنیف بنا سکتا ہے۔

تسبیح و تقدیس دراصل اسلامی ادب اور ثقافت کا منتہا ہے، جس سے خدایابی کے لیے پیاس تیز تر ہوتی ہے اور رعنائیوں کے شاہدہ سے سفلی جذبات میں تحریک پیدا ہونے کے بجائے محسن و خوبیوں، دلاویزیوں اور تمام رعنائیوں کے خالق کی طرف دل پکھنے لگتا ہے اور زبان سے اس کی تسبیح و تقدیس کے بے ساختہ زمزمے بلند ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

کاش! عالم اسلام اس نظام ثقافت پر نظر ثانی کر سکے جو فنون لطیفہ اور ثقافت کے نام پر ان کے ہاں پروان چڑھ رہا ہے اور ان کی فتنہ سامانی اور سنگینی کا ابھی سے احساس کرے۔ دورہ ہو سکتا ہے کہ کل رنگ دلوں اور تامل جا میں لیکن خدا شناس نگاہ کا قحط پڑ جائے گا جیسا کہ حالات کے تیور بتاتے ہیں کہ تسبیح خواں جو ہری اٹھتے جا رہے ہیں اور لذتیت پر جان چھڑکنے والے جانور بڑھتے جا رہے ہیں۔ بہر حال کل خدا کے ہاں اس کی باز پرس اس "قیادت" سے بھی ہوگی جو عالم اسلام میں اب برپا ہے اور ان فتنوں کی فتنہ سامانیوں کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے یا ان کی سنگینی کے احساس سے محروم اور غافل ہے۔

عزیز زبیدی - دار برٹن

وسیلہ سے کیا مراد ہے؟

کسی خاص مقام پر دفن کی وصیت کا حکم اور اس کا فائدہ؟ — مسئلہ کفایت وغیرہ

الاستفتاء۔ یہ استفتاء لمبا چوڑا آیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

۱۔ **وابتغوا الیہ** الوسیلۃ میں الوسیلۃ سے کیا مراد ہے؟

۲۔ جسے کوئی شخص پاک مقام تصور کرتا ہے، وہاں جس کا اگر وہ اپنے مردہ کو دفن کرے یا کوئی اس کی وصیت کر جائے تو کیا اسے پورا کرنا چاہیے اور کیا اس سے مردہ کو کچھ فائدہ بھی ہو سکتا ہے؟

سمیع اللہ۔ ۹ دسمبر ۱۹۷۳ء

الجواب:-

”الوسیلۃ“ کے لغوی معنی یہ ہیں:-

قرب، درجہ، ذریعہ (سلطان العرب وقاموس)

شرعی مفہوم یہ ہے:-

بہشت میں یہ سب سے ادنیٰ مقام ہے، جو ذاتِ حق سے قریب تر ہے، قرب و وصال کے لحاظ سے زیادہ اور کوئی قریب تر منزل نہیں ہے۔ قرآن و حدیث کی یہ اپنی اصطلاح ہے، جیسے صلوٰۃ۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:-

لغوی:- امام ابن کثیر (فتاویٰ ۴، ۵، ۶) فرماتے ہیں کہ:-

وسیلہ کے معنی ”قرب“ ان بزرگوں نے کیے ہیں:

ابن عباسؓ، مجاہد، ابو امل، حسن، قتادہ، عبد اللہ بن کثیر، سدی، ابن زید اور کئی ایک اور:-

قال سفیان الثوری عن طلحة عن عطاء عن ابن عباس:

ای القربة وکذا قال مجاهد وابو امل والحن و قتادة وعبد الله بن کثیر و سدی

وابن زید وغير واحد (تفسیر ابن کثیر ص ۲۸ تحت آیت: وابتغوا الیہ الوسیلۃ)

امام ابن کثیر لکھتے ہیں اس معنی میں مفسرین کے اندر کوئی اختلاف نہیں،

وہذا الذى قال لهؤلاء الائمة لا خلاف بين المفسرين (۲۵)

امام ابن قتیبہ (۲۶۶ھ) فرماتے ہیں۔

الوسيلة القربة الزلفى

امام ابوالحسن السدی نزلی المدنیہ (ف ۱۲۸ھ) لکھتے ہیں۔

قيل هي في اللغة المنزلة عند الملك (حاشیہ ابن ماجہ)

امام نووی (۴۳۱ھ) فرماتے ہیں،

قال اهل اللغة الوسيلة المنزلة عند الملك (شرح مسلم)

امام ابن جریر (ف ۳۲۰ھ) فرماتے ہیں،

يعنى بالوسيلة القربة وكذا قال القرطبي (ف ۳۲۰ھ) الوسيلة القربة

امام سخاوی نے فرما دیا بھی یہی قول نقل کیا ہے (القول البدیع)

الغرض: ائمہ لغت، ائمہ مفسرین (من الصعابة عالقا بعين) اس معنی میں یک زبان ہیں کہ اس کے

معنی: قرب، مرتبہ اور ذریعہ ہیں۔ یہاں مرتبہ اور قرب سے مراد، قرب شاہی ہے۔

شرعی مفہوم۔ شرعی مفہوم دو ہیں۔

۱۔ ایک وہ مقام جو بہشت میں سب سے اونچا اور خدا سے قریب تر ہے، جس کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے اپنی امت سے، خدا سے دعا کرنے کو کہا ہے۔

سواء الله في الوسيلة (سلم، البداء، نسائی، ترمذی، بیہقی و القاضی)

حضور! وسیلہ کیا ہے؟ صحابہؓ نے پوچھا!

ما الوسيلة يا رسول الله!

فرمایا: یہ بہشت میں اعلیٰ درجہ کا نام ہے۔

اعلیٰ مدجۃ فی الجنة (القول البدیع للسخاوی بحوالہ عبد الوفاق وغیرہ وفيه الميث)

بعض روایات میں خانقاہ منزلۃ فی الجنة (سلم وغیرہ) آیا ہے۔

بہتر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مبارک تفسیر کے بعد الوسیلۃ کے دوسرے معنی تلاش

ہی نہ کیے جائیں، کیونکہ اس کی تفسیر اور نشانہ ہی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہتر اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اس لیے

جن آیات میں الوسیلۃ کا ذکر آیا ہے۔ اس سے مراد یہی قرب الہی تصور کیا جائے، جس کا حاصل یہ

ہے کہ کسی اور لالچ کے بجائے خدا یا نبی کا جذبہ ہی کا رفرار ہونا چاہیے، کیونکہ خدا لگ گیا تو سبھی کچھ مل گیا۔

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر

لٹتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دعا کے بعد

قرب بادشاہ کے بعد ملک میں اور کسی شے کی حسرت باقی نہیں رہتی، کیونکہ اس کے بعد جو چاہوں مل جاتا ہے۔

۲۔ اس کے دوسرے معنی ہیں، طاعت اور عبادت کے ذریعے قرب و وصال کے حصول کے لیے جدوجہد کرنا۔

امام ابوالبرکات نسفی حنفی (ف ۷۱۵ھ) لکھتے ہیں:

استعینت لما يتوصل به الى الله تعالى من فعل الطاعات وترك السيئات (مدامک)

حضرت ابن عباس (ف ۶۸ھ) فرماتے ہیں:

اطلبوا اليه القرب في الدرجات بالاعمال الصالحة۔

امام راغب اصفہانی (ف ۷۲۰ھ) فرماتے ہیں:

وحقيقة الوسيلة الى الله تعالى مراعاة سبيله بالعلم والمجاهدة وتحوى كلام الشريعة وهي كالقربة (مفرداً)

امام بیضاوی (ف ۷۴۹ھ) لکھتے ہیں:

ای ما يتوصلون به الى ثوابه والذلفى منه من فعل الطاعات وترك المعاصى (تفسير

انفاد للتنزيل)

جلالین میں ہے:

ما يقربكم اليه من طاعته (جلالین)

امام رازی (ف ۸۰۵ھ) لکھتے ہیں:

فالمراد طلب الوسيلة اليه في تحصيل موفاته وذلك بالعبادات وبالطاعات (تفسير كبير)

ان سب عبارتوں کا حاصل وہی ہے جو ہم نے شروع میں لکھا ہے، لیکن ان کا بھی خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ

اعمال صالحہ کے ذریعے وہ مقام قرب حاصل کرنے کی کوشش کی جائے جو الوسيلة کے نام سے

مشہور ہے، گو تنہا اس کے ممکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی ہوگی، لیکن وہ بالامالتہ ہوں گے باقی رہا

بالقیع؛ سو دوسروں کے لیے بھی یہ ممکن ہے، کیونکہ دوسروں کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معیت کا ذکر

احادیث اور قرآن میں ملتا ہے: شارح معاصیح علامہ تورنیشی (ف ۸۰۵ھ) نے الوسيلة کی جو ترجمہ بتائی ہے

اس سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ تمام طاعات کا حاصل یہی قرب الہی ہے جو الوسيلة کے نام سے مشہور ہے

ملا علی قادری حنفی مکی (ف ۱۲۱۴ھ) لکھتے ہیں۔

قال الترمذی: هي في الاصل ما يتوسل به الى الله وتيقرب به اليه وسبب

تلك المنفعة من الجنة بعلات الواصل اليها يكون قريبا من الله وفائرا ببقائه (مفاتيح)

حضرت شاہ ولی اللہ (رہمہ اللہ) نے ان ہی اعمالِ صالحہ اور منورہ کا نام سبب اور وسیلہ رکھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عذیقہ (رہمہ اللہ) نے حضرت ابن مسعود (رہمہ اللہ) کے متعلق جو یہ فرمایا تھا: انه اقربهم الى الله وسیلہ (وہ دوسرے صحابہ کی بہ نسبت بہ اعتبار وسیلہ خدا سے نزدیک تر ہیں) کا مفہوم بھی یہی ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں:

وشرع للاول الوضوء والغسل وللثاني الصلاة والاذكار والتملأه واذا اجتمعنا سميناه

”سببہ ووسیلہ“ وقرول عذیقہ فی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما: لقد علمنا المحفوظون

من اصحاب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انه اقربهم الى الله وسیلہ (حجۃ اللہ الیہم الاہل)

علامہ سخاوی (رہمہ اللہ) نے امام ماردی اور امام ابوالفرج سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں حضرت ابو زید الوسیلہ کے معنی محبت کے کرتے ہیں۔

اب آئیے! اس سلسلے کی آیات کا ہم مطالعہ کریں:

پہلی آیت: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ۔
(دہ - المائدہ ۴)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو (ترجمہ)

احمد رضا خاں بریلوی)

اس کے معنی پر جناب نعیم مراد آبادی لکھتے ہیں:-

”جس کی بدعت تھیں اس کا قرب حاصل ہو۔ (خزان العرفان)

اس آیت سے پہلے ذکر ہے جو خدا اور رسول کے دشمن اور تخریب کار ہیں ان کو تہس نہس کر دو

یا دیں بدکردو، ہاں اگر توبہ کر لیں تو اور بات ہے، اس کے بعد مندرجہ بالا آیت کا ذکر ہے، جس سے

صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ خدا سے ڈرتے رہو، کہیں تم پر یہ آنت نہ آئے،

گو اسلام لے آئے ہو لیکن کامل اطمینان کے لیے ضروری ہے کہ خدا کے مقربین میں شامل ہونے کی آپ

خوب کوشش کریں، یعنی قرب الہی حاصل ہو گیا تو صرف دنیا کی بات نہیں اگے جہاں کا کٹکا بھی نہیں

رہے گا۔ پس بیان الوسیلہ سے مراد وہی مقام رفیع ہے جو جنت میں ہے یا وہ اعمالِ صالحہ ہیں جو اس

”نبوی الوسیلہ“ تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔ ان سے پہر حال اہل بدعت کا وسیلہ مراد نہیں ہے، کیونکہ ان

”وَسَيُؤْتِيهِمْ فِيهَا زُفْرًا“ اور مدینے کے عالیشان مقابر ان کی اسی وسیلہ پر تھی اور وسیلہ جوئی کی آماجگاہیں تھیں، جن کے سمار کرنے کا حضور نے حضرت علیؓ کو اور حضرت علیؓ نے حضرت اسدیؓ کو حکم دیا تھا (مسلم) اگر اس کے بعد بھی خدا نے دنیا کو پھر اسی الوسیلہ کی طرف دعوت دی ہے تو بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے؛ کیونکہ وہ لوگ فرشتوں وغیرہ کے حضور اپنا خراج عقیدت پیش کر کے ان کو خدا کے حضور اپنا وسیلہ ہی تو بندتے تھے، چنانچہ قرآن نے ان پر الزام لگایا ہے کہ وہ کہتے ہیں۔

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (پہ - زمرع)

کہتے ہیں ہم تو انہیں صرف اتنی بات کے لیے پوجتے ہیں کہ یہ ہیں اللہ کے پاس نزدیک کر دیں۔

(احمد رضا خاں کا ترجمہ)

بہر حال ہمارے نزدیک ”دَا بُتَعُوْا لَيْلِيَ الْوَسِيْلَةِ“ کا مفہوم وہی ہے جو حضور نے بتایا ہے کہ وہ بہشت میں خدا سے قریب تر اور رب سے اونچا مقام ہے یا یہ کہ سچی پیاس کے ساتھ اور نہایت شینگی کے عالم میں اس کی اطاعت کی جائے تاکہ محمدی الوسیلہ ”پاتھا جائے۔“

علامہ سخاوی دت ۹۷۱ھ نے امام ماوردی اور امام ابوالفرج سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو زید الوسیلہ کے معنی المحبة کے کیا کرتے تھے یعنی خدا سے محبت کی جائے۔

وَالْقَوْلُ الشَّافِي اِنَّهَا الْمَحَبَّةُ اَيْ تَحْبِبُوْا اِلَى اللّٰهِ (القول البديع)

اس کا بھی حاصل یہی ہے کہ صرف اس کی تلاش ہی مطلوب و محبوب ہو کیونکہ الوسیلہ کا مقام انہیں مل سکے گا جو عشاقِ برحق ہیں، اور ان کے لیے خدا سے دوری ناقابلِ برداشت ہے۔ خدا سے دور رہ کر جن کا گزارہ ہو سکتا ہے یا جو لوگ خدا سے دورے دورے کے بدعی وسیلوں سے پہل سکتے ہیں، ان کے لیے تو ”الوسیلہ“ جیسے مقامِ رفیع کی ضرورت ویسے بھی نہیں رہتی۔

دوسری آیت: اُولَئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلَى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَتَقَرَّبُ اَقْرَبَ۔

رہا - بنی اسرائیل (ع)

یہ لوگ کہ جن کو مشرکین پکار رہے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف ذریعہ ڈھونڈ رہے ہیں کہ ان میں کون سا زیادہ مقرب بنتا ہے۔

بخاری میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، کہ یہ آیت جماعتِ عرب کے حق میں نازل ہوئی جو جنات کے ایک گروہ کو پوجتے تھے اور وہ جنات اسلام لے آئے اور ان کے پوجنے والوں کو خبر نہ ہوئی۔ (کنز الایمان احمد رضا خاں)

اس آیت سے پہلے ہے کہ جن کو تم سمجھتے ہو، پکارو، لیکن وہ تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے۔ اس کے بعد فرمایا: کہ جن کو تم پکارتے ہو وہ تو خود رب کے ہاں قرب (الوسیلۃ) حاصل کر رہے ہیں۔ پھر فرمایا: دَبِيرُجُودَ رَحْمَتِهِ دَبِيخًا فَوْنَ عَذَابُهُ (ایضاً)

اور وہ اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں (احمد رضا خاں)

یعنی جن کو تم اپنی امیدوں کا سہارا سمجھتے ہو، وہ تو خود رب العظیم کے در کی آس لگائے بیٹھے ہیں اور مارے ڈر کے کانپ رہے ہیں، جن کی اپنی حالت یہ ہو۔ وہ تمہارا وسیلہ کیا نہیں گے؟ امام زرخش (مختصر حنفی) (ف ۵۲۸) اس کے دو معنی لکھے ہیں۔ دوسرا یہ ہے کہ: اسی امر کا لالچ کرتے ہیں کہ ان میں سے کون خدا کا زیادہ مقرب بنتا ہے اور یہ طاعت اور خیر و صلاح میں زیادہ سے زیادہ کوشش کے ساتھ۔

فَكَانَ قَلِيلٌ يَحْمَدُونَ إِلَهُهُمْ يُكُونُ اقْرَبَ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى وَذَلِكَ بِالطَّاعَةِ وَازِيَادِ الْخَيْرِ وَالصَّلَاحِ (کشاف)

تفسیر جلالین میں بھی اسی معنی کو اختیار کیا گیا ہے:

رَبِّبَتُونِ (يُطْلَبُونَ) إِلَى دَهْمِ الْوَسِيلَةِ (القُرْبَةِ بِالطَّاعَةِ رَابِعُهُمْ) بَدَلُ مَنْ وَارِثِ يَبْتَغُونَ إِلَى يَبْتَغِيهَا الَّذِي هُوَ (اقْرَبُ) إِلَيْهِ۔

اہم بیضاوی (ف ۱۹۱) نے بھی اسی مفہوم کو پسند کیا ہے:

هُؤُلَاءِ الْأَلِهَةُ يَبْتَغُونَ إِلَى اللَّهِ الْقُرْبَةَ بِالطَّاعَةِ رَابِعُهُمْ (اقْرَبُ) بَدَلُ مَنْ وَارِثِ يَبْتَغُونَ إِلَى يَبْتَغِي مِنْ هَؤُلَاءِ إِلَهُهِ الْوَسِيلَةَ تَكَيْفُ يَغْفِرُ الْاقْرَبُ (وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ) كَمَا تُدْعَى الْعِبَادُ تَكَيْفُ تَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ إِلَهُةٌ (بِضَاوِي)

حضرت ابن سبوت نے واضح فرمادیا ہے کہ یہاں کیا وسیلہ مراد ہے۔ یعنی اسلام اور ایمان قبول کیا ہے (بخاری) یعنی وہ تو اسلام کے ذریعے خدا کے قرب کے حصول کے لیے بقیاب ہیں مگر یہ نادان ہیں کہ ان کے ذریعے قرب خدا کے متمنی ہیں۔ بہر حال آیت کا سیاق سابق اور روایت بخاری اس امر میں بالکل واضح ہیں کہ یہاں الوسیلہ سے مراد، اہل بدعت کا بدعی وسیلہ نہیں ہے بلکہ اسلام ہے (فہر المراد)

جواب سوال ۷۔ کسی پاک جگہ پر دفن ہونے یا کرنے کا جذبہ برا نہیں لیکن چنداں مفید بھی نہیں، الا ان یشاء اللہ۔

حضرت ابوالدرداء (ف ۳۳۳) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سلمان فارسی (ف ۲۵۰) کو لکھا تھا

أَنْ هَكَذَا إِلَى الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ فَكُتِبَ إِلَيْهِمْ سَلَامَاتُ الْأَرْضِ لَا تَقْدَسُ أَحَدًا وَانَّمَا يَقْدَسُ

سرزمین پاک میں تشریف لے آئیے! حضرت سلمان نے جواب میں لکھا کہ: زمین کسی کو پاک اور مقدس نہیں بناتی، اصل میں انسان کے عمل ہی اس کو مقدس بناتے ہیں۔

مکہ اور مدینہ یا سرزمین بیت المقدس سے بڑھ کر اور کون سی جگہ پاک اور مقدس ہو سکتی ہے، لیکن آپ جانتے ہیں کہ لاکھوں ابو جہل، ہزاروں یہودی، اور بے شمار مشرکین ان میں مدفون ہیں۔ بلکہ آپٹن کر حران ہوں گے کہ جہاں مسجد نبوی ہے، یہاں پہلے قبریں تھیں (بخاری باب هل یبش بعد مشرکی الجاہلیۃ) شہر مدینہ مسجد نبوی، غازی اور امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مقتدی اور غازی ابو بکر و عمر و عثمان و علی اور دوسرے عشرہ مبشرہ میں سے عظیم صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ بلکہ سب سے محیر العقول یہ حقیقت کبریٰ کہ بعد میں خود محبوب رب الطلین بھی اسی جگہ میں ہمیشہ کے لیے آرام فرما ہوئے۔ اور یہ بھی نوید سناٹی کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کا ٹکڑا بہشت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے۔

ما بین بیتنی و منبری و دفتہ من دیا من البعۃ (بخاری - مسند ابو ہریرہ) اس کے باوجود کیا ان بد نصیبوں کو اس کا کچھ فائدہ پہنچا؟

آپ کہیں گے کہ: وہ تو میرے سے مسلمان نہیں تھے، ہم کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے، وہ کافر تھے اس لیے اصل بات انسان کا عمل رہا، اگر یہ نہ ہو تو اس کا کچھ فائدہ نہیں، گندگی کو جتنا دھوئیں پاک نہیں ہوگی، ہاں سیلا کپڑا صاف ہوگا مگر دھونے سے، گناہوں کا میل بھی اپنے اعمال صالحہ اور توبہ کے صابن سے ہی دھل سکے گا، اور کسی طرح نہیں، اس لیے پاک جگہ لے جا کر اسے دفن کیا جائے یا قرآن جیسی پاک کتاب ہمراہ رکھ دی جائے اس سے اس کو کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ مٹی بحیثیت مٹی، توجہ کر سکتی ہے، یہ کرتی ہے کہ عبد مومن کو مر جا کہتی ہے اور ناجرب یا کافر جب اس کی گود میں پہنچتا ہے تو اسے کہتی ہے، دفع ہو۔

لا موجباً ولا اھلاً

پھر اس کی خوب مرمت کرتی ہے (ترمذی، ابو سعید خدری)

وہ زمین پاک ہو یا ناپاک، مقدس ہو یا مظہر ہر حال وہ اپنا فرض اسی طرح ادا کرتی ہے جیسے اسے حکم ہوا ہے۔ اس لیے جو لوگ مقدس جگہ کی تلاش میں رہتے ہیں وہ دراصل سستی بخشش کی ٹوہ میں رہتے ہیں، اگر وہ ویسے رحمت کر دے تو وہ تمنا کر لے ہے جہاں تک اس کے احکام اور شرائع کا تقاضا ہے، وہ یہی ہے کہ کچھ لے کر جاؤ گے تو کچھ بن جائے گا، ورنہ وہ مغت میں دودھ پلانے سے رہی۔ واللہ اعلم۔

مودودی، کفایت، حرمت مصاہرت

ایک صاحب لکھتے ہیں کہ:

ا۔ ہمیں آپ سے گہری دلچسپی ہے مگر سنتے ہیں کہ آپ "مودودی" صاحب کے مقلد بھی ہیں۔ اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید حرام ہے تو ان کی کیوں جائز ہے؟

ب۔ رسائل و مسائل حصہ دوم میں مولانا مودودی نے "شادی بیاہ میں کفایت کا لحاظ" کے عنوان سے "فقہی کفایت" کی ضرورت اور اہمیت کے لیے نقلی اور عقلی دلائل دیے ہیں۔
نقلی دلائل۔ نقلی دلائل میں یہ حدیثیں لکھی ہیں۔

لا تنكحوا الا الکفاء (دادقطنی و بیہقی) یا علی ثلث لا تؤخرها المصلوة اذا اتت
والجنازة اذا حضرت والا یؤاخذوا بجدات کفاء (ترمذی۔ حاکم) تغیروا لفظکم وانکحوا
الاکفاء (حوالہ درج نہیں) قول عشر: لا منعن فروج فداات الاحساب الامن الاکفاء۔
دکتابہ الآثار امام محمد)

عقلی دلیل۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عقل کا صریح تقاضا ہے کہ رشتہ بے جوڑ نہ ہو۔ اخلاق، دین
خاندان، معاشرتی اقدار مثلاً عزت و حیثیت و مالی حالات میں مماثلت کم و بیش ہی سہی، ضرور ہونی چاہیے۔
ورنہ نباہ شایانِ شان شکل ہوگا۔ یہ باتیں کہاں تک صحیح ہیں؟
ج۔ ایک شخص اگر اپنی بیوی کی ماں سے ناجائز تعلق قائم کرتا ہے تو کیا اس پر اس کی بیوی حرام ہو
جاتی ہے؟ بینوا تو جبراً۔ (ملخصاً)

الجواب

ا۔ تقلید۔ مولانا مودودی سے جن نکتوں پر لکھا ہوں کہ موصوف

۱۔ اہل علم ہیں، اس لیے ان کی علمی بصیرت، تجربات اور تخلیقات سے استفادہ کرتا ہوں مگر ان سے
اختلاف کرنے کو ناجائز تصور نہیں کرتا، کیونکہ جیسا کہ دوسروں کا حال ہے، ویسے ہی مولانا بھی معصوم یا
مغضود صحتِ الخطاء نہیں ہیں۔ نہ وہ خود اپنی عصمت کے قائل ہیں۔ بلکہ اختلاف کا حق دیتے بھی ہیں اور
مانگتے بھی ہیں، جسے سمجھنے کی بہت کم کوشش کی گئی ہے۔ اس لیے ناحق ان پر لے دے ہوتی رہتی
ہے جو مجھے اچھی نہیں لگتی کیونکہ جس کے وہ مدعی نہیں ہیں، اسی کی ان کو سزا دی جا رہی ہے۔

دراصل مولانا مودودی ایک آزاد حنفی ہیں، جیسے شاہ ولی اللہ اور مولانا عبدالحی لکھنوی۔ جس

طرح اخلاف ان دونوں بزرگوں کے اختلاف کو نشانہ تصور کرتے ہیں اسی طرح وہ ان کے اختلاف سے بھی بدکتے ہیں، بہر حال یہ ان کے گھر کا مسئلہ ہے، یہ جانیں یا وہ، ہمیں مولانا کے صرف اقامت دین کے پہلو سے دلچسپی ہے۔ باقی رہے آپ کے دوسرے پہلو؛ وہ سو بعض قابل اخذ ہیں اور بعض قابل ترک۔
اتول کہا قال مجاہد ابن عباس۔

لیس احد بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا یؤخذ من قوله ویترك الا المنہی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (جنتہ القراءۃ بخلائی م)

(۲) دوسرا یہ کہ مولانا موصوف "اقامت دین" کے لیے کوشاں ہیں، اس لیے اس میں ان سے تعاون کرنے کو سعادت بلکہ دینی فریضہ تصور کرتا ہوں جس طرح کہ ہمارے صادق پوری بزرگوں نے حضرت سید احمد شہید کے ساتھ تعاون کیا اور پھر اس کا حق ادا کر دیا اور جس طرح بعض مسائل اختلاف کا طوفان کھڑا کر کے سید شہید کی تحریک اقامت دین کو نقصان پہنچا کر کچھ دین پسندوں نے کچھ ہوش مندی کا ثبوت نہیں دیا تھا، وہی اندیشہ ہمیں یہاں بھی ہے، جو اختلاف علمی ہو مبارک ہوتا ہے جو سیاسی اغراض اور مسلکی عصبیت اور مصالح کے محور پر گھومتا ہے وہ حجاج کی تلوار ثابت ہوتا ہے۔ جس سے ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ پس اگر آپ نے ان حدود کو ملحوظ رکھا تو پھر آپ کا اختلاف بھی رحمت اور اتفاق بھی مبارک ورنہ یہ رحمت نہ وہ مبارک)

ب۔ مسئلہ کفایت۔ ہمارے نزدیک اسلام میں دین اور خلق کے سوا کفایت میں اور کوئی چیز ملحوظ نہیں ہے، مولانا مودودی یا دوسرے فقہائے کرام علیہم الرحمۃ نے فرید جن امور کی نشاندہی فرمائی ہے انہیں میں سرپرستوں کی مقامی صوابدید اور احتیاطی تدابیر کی بات تصور کرتا ہوں جیسا کہ ہر سرپرست اپنی اولاد کے سلسلے میں سوچتا ہے، ہاں اگر کوئی صاحب ان کو شرعی قیود تصور فرماتے ہیں، تو ہمیں ان سے اتفاق نہیں ہے۔ بلکہ خود مولانا مودودی بھی سب شرائط میں ان سے متفق نہیں ہیں۔

مولانا مودودی نے جن دلائل کا ذکر فرمایا ہے ان میں سے اکثر ثبوت کی مذکور ہیں اور کافی کمزوری اور جو صحیح ہیں، وہ فقہاء کی مصطلح کفایت میں واضح نہیں ہیں۔

حدیث اول:۔ یہ روایت حد درجہ ضعیف ہے، اس کا راوی مبشر بن جلید ہے۔ امام دارقطنی نے یہ روایت ذکر فرما کر کہا ہے کہ: مبشر متروک ہے (دارقطنی ۲۹۲) امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اس کی حدیثیں جھوٹی اور من گھڑت ہوتی ہیں، امام ابن القطان فرماتے ہیں کہ بات وہی ہے جو امام احمد نے فرمائی ہے۔

واسند البیہقی فی المعرفة عن احمد بن حنبل انه قال احادیث مبشر بن جلید موضوعۃ

کذب انتہی قال ابن القطان فی کتابہ وهو کما قال (نصب الولایۃ ص ۱۹)

امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں یہ راوی مجہول ہے۔

اسنادہ داہج لان فیہ مبشر بن عبیدہ وکذاب (الدایۃ ص ۲۲)

اس کا دوسرا راوی حجاج ہے، ضعیف بھی ہے اور ضعیف راویوں کے سلسلے میں تذہیب بھی کرتا ہے۔

وہ ضعیف ویدس علی الضعفاء و نصب الساریۃ ص ۱۹۶

دوسری حدیث :- یہ روایت ترمذی اور متذکرہ ماکم میں ہے، امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں اس کی سند ضعیف ہے۔

اخرجه الترمذی والحاکم باسناد ضعیف (الدایۃ ص ۲۲)

امام ترمذی فرماتے ہیں یہ روایت غریب ہے، سند منقل نہیں ہے (یعنی منقطع ہے)

حدیث غریب و ما اری اسنادہ متصلا (ترمذی ص ۵)

کیونکہ محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب کا سماع داوے سے ثابت نہیں ہے۔

روایۃ عن جدہ مرسلۃ (تقریب ص ۴۶)

اگر سند متصل ہو تو اس کی روایت حسن رہتی ہے، صحیح کے درجہ کی نہیں ہوتی۔

قال ابن القطان: فادی حدیثہ حنا یعنی لا یبلغ الصحتۃ (میقات ص ۶۶)

اس سے نچلا راوی مجہول ہے امام ابو حاتم فرماتے ہیں مجہول ہے (تمذیب)

تیسری روایت :- یہ روایت حضرت عائشہ سے مروی ہے، ابن ماجہ، ماکم، بیہقی میں ہے۔ امام بیہقی

فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے (جامع منیر ص ۱۹) لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ اس کا ایک راوی مارث

بن عمران جعفری ہے، امام ابن حجر فرماتے ہیں یہ ضعیف ہے، ابن حبان فرماتے ہیں یہ صاحب حدیث گھڑا

کرتے تھے (تقریب ص ۱۹) امام ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ راوی ضعیف ہے، اصل میں یہ روایت منقطع

درسل ہے۔ (میزان ص ۲۳۹)

امام زلیعی حنفی فرماتے ہیں یہ روایت حضرت عائشہ، حضرت انسؓ اور حضرت عمرؓ سے روایت کی گئی

ہے مگر یہ سب ضعیف ہیں اور انہی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہیں۔

وهذا روی من حدیث عائشۃ ومن حدیث انس ومن حدیث عمر بن الخطاب من طرق

عدیدۃ کلہا ضعیفۃ و نصب الساریۃ ص ۱۹۶

جامع منیر میں بحوالہ ابن عدی اور ابن عساکر بھی یہ روایت ذکر کی گئی ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی (ض)

نشان لگا دیا ہے یعنی ضعیف ملے ص ۱۴۹

چوتھی دعایت ۱۔ یہ روایت جیسا کہ مولانا موصوف نے فرمایا ہے، کتاب الآثار (امام محمد) میں ہے لیکن اس کا ایک راوی مجہول ہے۔

سندیہ ہے۔

اخذنا ابو حنیفۃ عن رجل عن عمر بن الخطاب المحدث (کتاب الآثار باب تنزیع الکفام)

اس لیے یہ روایت بھی قابل احتجاج نہیں ہے۔

فقہی کفارت ۲۔ یہ تو احادیث کی روایتی حیثیت ہے، باقی رہی معنوی حیثیت؛ سو وہ اس مفہوم میں ناطق نہیں ہیں جو فقہاء یا مولانا موصوف نے بیان کی ہیں۔ ہمارے نزدیک اس کفو سے مراد دین اور خلق میں جوڑ کے مابین مناسب مماثلت ہے؛ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو تعلیم دی ہے، اسے عملاً بھی مشکل کر کے دکھایا ہے۔ آپ نے قرشی خاتون کی شادی غیر کفو میں اور وہ بھی ایک غلام سے کر دی تھی۔

جب حدیثیں بیان کی جائیں تو ضروری ہوتا ہے کہ ان کی روایتی حیثیت بھی بیان کی جائے، کیونکہ اس کے بغیر طہانیت حاصل ہوتی ہے نہ اتمام حجت ہوتا ہے۔ جس کا یہاں التزام نہیں کیا گیا۔ یہ حدیثیں زیادہ تر نصب الراية سے ماخوذ ہیں اور اس میں ان کی روایتی حیثیت بھی مذکور ہے۔

عقلی دلیل۔ عقل و روایت مشعل راہ ہے، منزل نہیں ہے اس لیے بیان کردہ احادیث کے سلسلے میں ”وجہ طہانیت“ تلاش کرنا تو مبارک ہوتا ہے۔ لیکن وہ کتاب و سنت پر قاضی نہیں ہوتی۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے عقل کے ذریعے کچھ محاکمے منقول ہیں، مگر وہ قرآن و حدیث کی عدم موجودگی کی بات ہے، گویا ایک مقام معذرت تھا تاہم ائمہ دینی نے اس کا خیر مقدم نہیں کیا، اور اہل الرائے کے نام سے آپ کا ذکر کر کے انھوں نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے۔

امام صاحب کے بعد آپ کے تلامذہ اور مقلدین نے اس کو دلیل بنا کر بہت سے ایسے اصول بنا ڈالے جن کے ذریعے واضح اور صحیح احادیث سے پیچھا چھڑانا آسان ہو جاتا ہے، قال الشاہ عبد العزیز محدث الدہلوی۔

من اللطائف التي قلما تظفر بها جده في حفظ مذهبه ما اخترعته المتأخرون لحفظ مذاهب ابي حنيفة وهي عدة قواعد يردون بها جميع ما يحتج به عليهم من الاحاديث الصحيحة (ملاحضات عزيزية ص ۷)

حضرت شاہ ولی اللہ کا نظریہ ہے کہ یہ رنگ معزیوں کی وجہ سے خفیوں میں عام ہوا۔
ولا يعلمون اول من اظهر ذلك فيهم المعتزلة وليس عليه بناء مذهبهم ثم استطاب

خاص کر حضرت امام طحاوی نے شرح مسانی الآثار میں نظر کے تحت اس کے لیے جو راہ ہموار کی ہے تاخر ابحاث نے اس سادہ سی راہ کو اور کشادہ بنا دیا ہے، ماضی قریب میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے احکام دینیہ کی حکمت اور فلسفہ بیان کرتے ہوئے جو اسلوب اختیار کیا ہے، اس سے گواہی دہشت کا رد تو بہت کم ہوتا ہے تاہم اس سے دل کے بجائے دماغ کو زیادہ غذا ملتی ہے جو بہر حال کسی بھی وقت غلط ہو سکتی ہے، پیرومی کے نزدیک یہ پائے چوبیس ہے۔ اس لیے اکابر اہل حدیث کا یہ نظریہ ہے کہ جہاں تک شاہ ولی اللہ محدث کا تعلق ہے اس سے تو ہمیں خصوصی دلچسپی ہے لیکن حکیم، صوفی اور فلسفی شاہ ولی اللہ کی حیثیت سے محترم ہونے کے باوجود وہ ہمارے درو کی دوا نہیں ہیں۔

متداول عقل و حکمت کے سلسلے میں یہ گزارشات ہم نے صرف اس لیے عرض کی ہیں کہ یہ بلا عام ہے مولانا موصوف نے بھی اپنی نگارشات عالمیہ میں اس سے زیادہ کام لیا ہے۔ جیسا کہ یہاں پر بلکہ روایا کے سلسلے میں مولانا جو تساہل برتتے ہیں، وہ بھی صرف اسی عقل و درایت کے سہارے پر برتتے ہیں کیونکہ جب آپ اس پہلو سے مطمئن ہو جاتے ہیں تو پھر روایات کی روایتی حیثیت سے بھی وہ بحث کرنے کی ضرورت محسوس نہیں فرماتے جس سے بہر حال ہم مطمئن نہیں ہیں۔ گویا بکلیہ ہم اس پہلو کو بھی مسترد نہیں کرتے اور نہ جزوی حد تک ہم اس کی افادہ حیثیت کے منکر ہیں لیکن ہم نے یہ محسوس کیا ہے کہ ذہن اور عقل و خرد کے اس کھیت سے وہ صدیق اور قدسی صفات گروہ نہیں ابھر سکتا جو خرب اللہ کہلا سکتا ہے، اور ان کے دیکھے سے خدا یاد آ سکتا ہے۔ باتوں سے دل تو شاید کوئی موملے لیکن دل کی شعلیں بھی اس سے روشن ہو جائیں، مشکل ہے۔ عہد حاضر میں کمی علم و حکمت کی نہیں ہے بلکہ انہی طیلانوں کی ہے۔

جس عقلی دلیل کے ذریعے فقہی کفایت کا اثبات کیا گیا ہے، ہمارے نزدیک وہی اس کے ابطال کے لیے بھی کافی ہے۔ کفایت کی تقریباً تقریباً ساری اقسام عہد جاہلیت میں بھی پائی جاتی تھیں، نہیں تھی تو دینی اور اخلاقی مکرمت کی بات نہیں تھی حالانکہ اصل یہی تھی، اس لیے اسلام نے اسی بات پر زیادہ زور دیا ہے کہ بس اسی کو ملحوظ رکھو کیونکہ عائلی زندگی کی عافیتیں اسی سے وابستہ ہیں۔ اس کے بغیر حسب و نسب اور جمال کی باتیں صرف باتیں ہی رہتی ہیں۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ فقہی کفایت کا التزام کرنے کے باوجود اتنی رسوائیاں دیکھی ہیں کہ الامان و الحفیظ، جہاں مسنون کفایت کو ملحوظ رکھا گیا ہے وہاں یہ ضرور محسوس ہوا ہے کہ نباہ نہ ہو سکنے کے باوجود بدتمیزی دیکھنے میں نہیں آئی بلکہ یوں ہوا جیسے ایک گرہ تھی جسے

بس کھول دیا گیا۔ اور بس۔ ہمارے نزدیک منون کفارت کی یہ بھی ایک کرامت ہے، فلتا الحمد۔
كُفُو۔ کفو کسی چیز کی نظیر یا ہم پلہ ہونے کا نام ہے۔ باقی رہا یہ کہ کس حیثیت سے اور کن کن پہلوؤں سے؟ سو حنفی فقہاء نے تو اس کو بحر محیط بنا ڈالا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ نسب، حریت، اسلام، دیانت، مال اور حرفت کے لحاظ سے کفو ملحوظ رہنی چاہیے۔

والكفاءة تعتبر نسباً وحريةً و اسلاماً و ايماناً فيهما كالأبام و ديانته و مالا و
 حرته (کنز الدقائق من مفصل في الکفاءة کتاب النکاح)

ستم طرہی یہ کہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کفادت میں باقی تو سب کچھ معتبر ہے لیکن
 ”دین“ میں مماثلت ضروری نہیں کیونکہ اس کا تعلق آخرت سے ہے دنیا سے نہیں ہے۔

و قال محمد لا يعتد لانه من امم الاخرة فلا تبتغي احكام الدنيا عليه (هذا یہ منہ ۳۲)
 نہایہ میں ہے کہ ایک روایت امام الرضیہ سے بھی یہی ہے۔

دوی من ابی حنیفۃ معاۃ اخوی انه مع محمد فی انه غیر معتبر (نہایہ)

فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ کفو صرف مردوں میں تلاش کرنے کی ضرورت ہے، عورتوں میں ضروری نہیں۔
 من جانبہ الی الرجل لان الشریفة تابی ان تكون خراشاً للذاتی و لذا لا تعتبر من جانبها
 (الد والمختار شرح تنزیل الا بصار ۱۶)

اس کے علاوہ پاک و ہند کے مسلمانوں کے متعلق تو لکھا ہے کہ اب یہاں نسب کے لحاظ سے کفو کی
 تلاش ہی فضول ہے کیونکہ اب یہ یقینی نہیں رہا۔

وانما خص الکفاءة فی النسب بالعرب لان العجم ضیعوا انسابهم (شرح فقہایہ شری)
 کچھ اکابر نے عجم میں بھی بعض انساب کی نشاندہی کی ہے، مگر اس سلسلے میں یقینی بات کہنا کچھ
 آسان کام نہیں ہے۔

اگر فقہاء کی تجویز کردہ کفادت کو ملحوظ رکھا جائے تو ملی و مدت عجمی چھوٹ چھات کے ہاتھوں
 پٹ جائے۔ بہر حال ہمارے نزدیک کفارت مطلوب ہے لیکن صرف (۱) دین (۲) ادا اخلاق میں۔
 مختصراً دلائل یہ ہیں۔

قوان ۱۔ سب سے پہلے تو کفالت کے تصور سے ہی بالاتر ہو کر قرآن نے دل پسند کی قید لگائی
 ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔

فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ الْمَسَلَّةِ مَثْنً وَاُثْلَثَ وَرُبْعَ (البقرہ)

تو پھر نکاح کر لو جو اہل عورتیں تم کو خوش گلیں، دودو اور تین تین اور چار چار۔

ظاہر ہے یہ بالکل مطلق ہے، اس کو کفالت سے بوجھل کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس کے بعد موازنہ پیش کیا تو صرف یہ کہہ کر کہ:-

الْفَيْثُ لِلْعَجِيزِيْنَ وَالْعَجِيزَةُ لِلْعَجِيزِيْنَ وَالْعَجِيزَةُ لِلْعَجِيزِيْنَ وَالْعَجِيزَةُ لِلْعَجِيزِيْنَ (ابوداؤد ۱۸-۱۹)

گندی عورتیں گندے مردوں کے لیے ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لیے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہوتی ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے۔

آیت مذکورہ میں جوڑے کی ان خصوصی صفات کی نشان دہی کی گئی ہے جو ان کے لیے مطلوب ہیں۔ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ۔

مومن اور مومنہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

یہاں بھی تعلق کی بنیاد ایمان کو قرار دیا گیا ہے۔

پھر خدا کے ہاں سب سے جو محترم ہے وہ متقی ہے۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُ (تفسیر حجات ۷)

جوڑے کے لیے معززہ کی تلاش ہوتی ہے سو خدا کے نزدیک وہ ہوتا ہے جو سب سے متقی ہوتا

ہے۔ ظاہر ہے تلاش بھی اسی کی چاہیے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (پہلے حجات ۷)

مسلمان تو بس (آپس میں بھائی) بھائی ہیں۔

بھائی بھائی ہونا، بنیادی کفالت ہے جو کسی دوسری خارجی قید کی متحمل نہیں ہے۔ احادیث سے

بھی اس تصور کی تائید ہوتی ہے۔

احادیث:- خاندانی شرافت کفالت کا جزو شمار ہوتی ہے، لیکن ایک صحابی نے حضور سے پوچھا کہ

حضور ایک عورت مجھے ہاتھ لگی ہے گو بانجھ ہے پر خاندانی ہے اور حسین ہے، کیا اس سے شادی

کروں؟ فرمایا نہیں، تین دفعہ یہ باتیں ہوئیں، آخر میں آپ نے فرمایا: جو بچے جننے والی ہر وہ کر دے۔

۱۔ جاء رجل الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال اني اصببت امرأة ذات حيب وجمال

وانها لاتلد فاستزوجها؟ قال لا فقال تزوجوا الولود والود فاني مكاثر بكم

داہود احمد

معلوم ہوا کہ دینی پہلو ملحوظ رکھنا چاہیے جو آخرت کی سرفرازی کا بھی موجب ہو۔ اور دنیوی عافیت کا بھی۔

۲۔ نکاح میں چار چیزیں سامنے ہوتی ہیں (۱) وہ مال و دولت والے ہوں (۲) خاندانی ہوں (۳) حسین ہوں (۴) اور دیندار ہوں۔ حضور کا ارشاد ہے: میں دیندار خاتون حاصل کیجیے۔

فاطر بن ذات الدین (بغدادی، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

۳۔ ایک اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے۔ حسب (خاندانی شرف) عمل صالح کا نتیجہ بھی ہو بلکہ اس کا تعلق زیادہ تر دھن دولت کی مقدار پر ہے۔

العنبر المال والکوم التقی (حاکم عن مسند)

بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں:

ان الساب اهل الدنيا الذي يذ هبوت اليها المال (نسائی و احمد عن بریدة)

گویا کہ جس کی جیب بھاری ہوتی ہے، دنیا اسے مغرور اور خاندانی تصور کرتی ہے۔ اس لحاظ سے نسب اور حسب کو کفو شرعی کا حصہ قرار دینا، اسلامی روح اور مغنویت کے خلاف ہے، کیونکہ ایمان اور عمل صالح کو جو بنیادی حیثیت حاصل ہے، وہ اب معیار نہیں رہیں گے بلکہ وہ بن جائیں گے جو جاہلی تھے اور جن کو اسلام مٹانے کے لیے آیا تھا۔ کیونکہ یہ سب نخوت جاہلیہ کی باتیں ہیں۔

قال صلى الله عليه وسلم لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ولا لابیض على

اسود ولا لاسود على ابيض الا بالتقوى (ذا حال المعاد)

۴۔ حضور کا ارشاد ہے جس شخص کے دین اور اخلاق سے آپ خوش ہیں اگر وہ رشتہ مانگے تو اسے دے دو، اسے دے دو، اسے دے دو، تین بار کہا۔ ورنہ فتنہ اور فساد جنم لیں گے۔

اذا تاكم من ترضون دينه وخلقه فأنكحوه الا تغلوه تكن فتنة فساد كبير قالوا

يا رسول الله وان كان فيه؟ قال اذا جاءكم من ترضون دينه وخلقه فأنكحوه ثلاث

مرات (ترمذی و قال حسن غریب)

تعامل: جن روایات میں کفو کا ذکر آتا ہے، و مجمل ہیں، حضور اور صحابہ کے تعامل کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کیا کیسے کرتے تھے۔ ذیل کی روایات فقہی کفادت کی تائید نہیں کرتیں۔

حضرت فاطمہ بنت فہرہ قرشی خاندان سے تھیں مگر آپ نے اسے حضرت اسامہ کے نکاح میں

دلایا تھا (زاو المعاد ص ۳)

ابا ہند حجام (سینگی لگا کر خون نکالنے والے) اور غلام تھے، آپ نے اس کے رشتے کے لیے عرب کے معزز قبیلے بنو بیاضہ سے سفارش کی تھی: انکھوا ابا ہند دانکھوا ایہ (زاد المعاد ص ۳) حضور نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش کا نکاح حضرت زید بن حارثہ سے کر دیا تھا جو غلام تھے (زاد المعاد ص ۳ فصل فی الکفۃ) حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کی ہمیشہ (بالہ بنت عوف) سے شادی کی تھی۔

عن حنظلۃ عن امہ قالت دایت اخت عبد الرحمن بن عوف تحت بلال (رد الدقطنی) حضرت ابو خذیفہ بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بھتیجی حضرت سالم کو بیاضہ دی تھی جو ایک انصاری خاتون کے غلام تھے۔

ان ابا حذیفۃ تبین سالما وانکحہا بستہ اخیه دھومونی
امراۃ من الانصار (بخاری وغیرہ)
ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اگر کفو کا کوئی مفہوم ہے بھی تو وہ شافعی اور حنفی فقہاء کی کفالت نہیں ہے بلکہ صرف دین اور اسلامی گیر مکیہ اور اخلاق کی کفالت ہے۔
جس کفالت کی فقہاء نے نشاندہی کی ہے، ہمارے نزدیک ایمان، اور حسن عمل کے مستقبل کے لیے نقصان دہ ہے، اگر رشتے ناطے میں فقہی کفالت کے بجائے نبوی اور نبوی کفالت کو ضروری قرار دیا جاتا تو آج مسلمان کا بازارِ عمل یوں نہ سرد پڑ جاتا، مگر افسوس! اس کو نظر انداز کرنے کے بعد دنیا آج دوسرے دنیا دارانہ تکلفات کے اہتمام میں لگ گئی ہے۔ اور اس کے جو نتائج سامنے آئے ہیں آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں، کاش! کوئی آنکھیں کھولے!
ج۔ ساس سے ناجائز تعلق۔ یہ حرمت مصاہرت کا مسئلہ ہے، شوافع اور اہل حدیث اس کے قائل نہیں ہیں، حنفی قائل ہیں۔ صحیح مسلم پہلا ہے، کیونکہ حضور کا ارشاد ہے، حرام، حلال کو حرام نہیں بناتا۔

عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لا یجرم الحوام الحلال (ابن ماجہ باب لا یجرم الحرام الحلال والد الدقطنی ص ۳)

علامہ سندھی لکھتے ہیں اس کا راوی عبداللہ بن عمر ضعیف ہے (حاشیہ ص ۲۲) لیکن امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ نافع میں ثقہ ہے جیسا کہ یہاں ہے۔

قال لاندی قلت لابن معین کیف حالہ فی مانع مال صالح ثقتہ (میزان ۱۹۸۵ء)

یہ روایت حضرت عائشہؓ سے بھی مرفوعاً مروی ہے۔

لا یفسد الحلال الحرام (دارقطنی ص ۲۱۲)

اس روایت میں پس منظر بھی یہی بیان کیا گیا ہے کہ ایک عورت سے ناجائز تعلق قائم کرنے کے بعد کیا وہ اس کی لڑکی یا ماں سے نکاح کر سکتا ہے؟ جواب میں فرمایا: حرام، حلال کو حرام نہیں کرتا یعنی جو کچھ حلال ہے اس روایت میں عثمان بن عبد الرحمنؓ بتروک راوی ہے، تاہم نفس مضمون تعدد طرق کی وجہ سے قابل احتجاج ہے، موقوف آثار مرزیاس کے مؤید ہیں۔

امام بخاریؒ نے تعلیقاً اور بیہقیؒ نے موصولاً ابن عباسؓ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ ایک شخص اپنی ساس سے ناجائز تعلق قائم کرتا ہے (اس کا کیا حکم ہے؟) فرمایا، اس پر اس کی بیوی حرام نہیں ہوئی۔ رجل غشی امرأته قال تخطی حرمتین ولا تحرم علیہ امرأۃ دفعہ الباری۔ قال الحافظ (مسندہ صحیح)

حضرت علیؓ نے کسی نے اس کے متعلق پوچھا تو جواب دیا: لا یحرم الحرام الحلال (فتح الباری) اسی قسم کے ایک واقعہ پر حضرت سعید بن المسیبؓ اور عروہ بن زبیرؓ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔ الرجل یغیر بالمائة هل تعمل له امها فعلاً لا یحرم الحرام الحلال (التعلیق ص ۱۸۸ المغنی عن المغنی) اخاف نے حرمت مصاہرت کے بارے میں جو علت بیان کی ہے بعض صورتوں کو انہوں نے خود ہی مستثنیٰ قرار دیا ہے مثلاً خود موطوءہ۔

حرمت مصاہرت کے سلسلے میں بات صرف زنا کرنے کی نہیں بلکہ وہ فرماتے ہیں شہوت سے چھو لینا یا نثر گاہ کو دیکھ لینا بھی حرمت مصاہرت کا موجب ہے، ظاہر یہ بات غیر متندانہ محسوس ہوتی ہے اصل میں یہ ایک ن کاوت جس کی بات سچ مشک کی نہیں ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ فعل برا نہیں ہے بلکہ اس کی معصیت تقضی ہے اور سنگین ہے لیکن یہ غلط ہے کہ اس کی وجہ سے جو جائز بات ہے وہ بھی ناجائز ہو جائے۔ یہ تو ایسا ہوا جیسے ایک شخص جائز کاروبار بھی کرتا ہے اور اس سے الگ سودی کاروبار بھی رکھتا ہے اب اس سے کہا جائے کہ وہ جائز کاروبار بھی چھوڑ دے۔ یا ایک شخص جہاں سچ بولتا ہے، وہاں وہ جھوٹ بھی بول لیتا ہے۔ اب اسے کوئی کہے کہ یہاں آپ سچ بھی چھوڑ دیں۔ ظاہر ہے کہ یہ غلط ہے۔ صحیح طریق کاریہ ہے کہ اس سے جھوٹ اور سود ہی چھوڑنے کو کہا جائے اور ایسا مؤثر اقدام کیا جائے کہ وہ ان برائیوں سے باز آجائے۔ پس یہی ہم بیان چاہتے ہیں کہ یہ انتہائی سنگین جرم اور شرمناک معصیت ہے، اس سے توبہ کرنا چاہیے یا اسے گھر میں آنے سے رد کر دینا چاہیے۔ لیکن اس کی نثر ایک بے گناہ لڑکی کو نہیں ملنی چاہیے کہ اس کو شوہر سے جدا کر کے ناحق دکھ دیا جائے۔

غلامی اور حریت۔ اقبال کی نگاہ میں

پاکستان بن گیا، بن کر پھر ٹوٹ گیا اور ٹوٹ کر کچھ حصہ پھر غلام بن گیا۔ مگر دونوں جگہ نعرہ آزادی کے اس ڈھونگ سے متاثر ہو کر عوام کا لالچام بھی یہی سمجھ بیٹھے ہیں کہ واقعی ہم آزاد ہو گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ دنیا میں آزادی اور حریت کا مفہوم اور مضمون یہی ہو، جس کی نشان دہی وہ لوگ کر رہے ہیں، لیکن بندہ مسلم کے ہاں حریت اور آزادی کا یہ مفہوم، حریت پر ایک الزام، تہمت اور افترا ہے جس کو سیاسی شعبہ بانٹوں نے گھڑ کر لوگوں کو اپنی غلامی میں پختہ اور مخلص بنانے کے لیے ایک بھونڈی سازش کے طور پر اختیار کیا ہے۔ یہ سازش کسی ایک ملک اور قوم کے خلاف نہیں کی گئی بلکہ یہ سب جگہ اور سب سیاسی عیاشیوں کی شرم ناک داستان اور کہانی ہے۔ یہاں بھی وہاں بھی۔ یہ بھی اور وہ بھی، سبھی یہی کچھ کر رہے ہیں اور سبھی جگہ یہی کچھ ہو رہا ہے۔ ہم پورے دثوق کے ساتھ اور پورے دھوے سے کہتے ہیں کہ اگر کبھی عوام کو ان سیاسی عیاشیوں کی اس بھونڈی سازش کا علم ہو گیا تو یقیناً ان کے خلاف وہی معاملہ کریں گے جو ایک قومی مجرم کے ساتھ کیا جاسکتا ہو۔ بنگلہ دیش تو اب اقبال سے کیا پوچھے گا اس کے سامنے اب ٹیگور جیسے قوم پرست شاعر ہی ہوں گے جن کے ذریعے وہ اپنی قوم کو ہندوؤں کی غلامی میں پختہ اور مخلص بنانے کی کوشش کریں گے، علیہ ما علیہ۔ لیکچر پاکستانیوں کے لیے علامہ اقبال کی تلقینات کو نظر انداز کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ وہ تصور پاکستان کے خدایاں ہیں اور اس کیلئے مخلص بھی۔ آئیے! اسی فرصت میں ان سے پوچھئے کہ متحدہ ہندوستان سے الگ کر کے پاکستان کی تخلیق سے ان کی کیا غرض تھی اور ان کے ہاں غلامی اور حریت کا کیا تصور تھا، تاکہ ہم اس امر کا جائزہ لے سکیں کہ غلامی کے اس بحر بے کنار میں گیارہ واقعی پاکستان بن کر ہم ساحلِ حریت سے ہمکنار ہو گئے ہیں یا کھجور میں اٹکا والی بات بن گئی ہے!

علامہ اقبال کے نزدیک غلامی یہ ہے کہ: انسان انسان کے تابع فرمان ہو اور محض اس کی ذاتی مصلحتوں کا غلام ہو کر رہ جائے۔

آدم از بے بھری بندگی آدم کرد گوہرے داشت وے نذر قباد و دم کرد

انسان نے اپنی کوتاہ بینی کی وجہ سے انسان کی غلامی اختیار کی اس کے پاس ایک ہیرا تھا۔ جو اس نے شاہوں کے حوالے کر دیا۔

یعنی از غوثے غلامی ز سگان خوار تر است من ندیدم کہ گئے پیش گئے سرخم کرد
یعنی وہ اپنی غوثے غلامی کی بدولت کتوں سے بھی بدتر ہو رہا ہے۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ایک کتے نے دوسرے کتے کے سامنے سر جھکایا ہو۔ فرماتے ہیں گو غلام بظاہر سانس لیتا ہے۔ مگر اصل میں وہ مردہ ہے۔
نفس وارد لیکن جاں ندارد کسے کو بر مراد دیگران زلیست (پیام مشرق)
وہ (غلام) سانس تو لیتا ہے مگر روح نہیں رکھتا جو دوسروں کی مصلحت کے مطابق جیتا ہے۔
آقا گھر کر اس کی چاکری کرنے والا برہمن سے بھی بدتر کافر ہوتا ہے۔

از غلامی فطرت آزاد را رسوا ممکن تا ترا شی خواجہ از برہمن کافر تری (بانگ درا)
غلامی سے فطرت آزاد کو رسوا کر جب تک تو آزادوں کے بت بناتا رہے گا برہمن سے بدتر کہ کافر ہو گا فسریدا
غلام حافظ قرآن بھی ہو تو بھی اس سے ایمان کی امید نہ رکھ۔

ز غلامے لذت ایمان مجو گرچہ باشد حافظ قرآن مجو

غلام سے ایمان کی جاشنی کی امید نہ رکھ، وہ حافظ قرآن بھی ہو تو بھی توقع نہ رکھ۔

غلام نفس کا ہویا کسی فرد کا، کسی حکمران کا ہویا کسی قوم کا، وہ حکمران اپنا ہیرا بغیر کلمہ قوم اپنی ہویا کوئی دوسری،
بہر حال علامہ اقبال کے نزدیک غلام حیوانوں سے بدتر ہے کیونکہ حیوانوں میں کتا سب سے ذیل شے تصور کی جاتی ہے۔ لیکن اس کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے مالک کا طوق تو لگے میں ڈال لیتا ہے۔ لیکن اپنے جیسے کتے کے سامنے وہ کبھی نہیں جھکتا۔ اس لیے اگر انسان انسان ہو کر کسی دوسرے انسان کی غلامی کا طوق اپنے لگے میں ڈال لیتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس نے اتنی غیرت کا احساس اور مظاہرہ نہ کیا جتنا ایک کتا ملحوظ رکھتا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ وہ اپنے مالک کا بے دام غلام رہتا ہے۔ لیکن یہ غلام اپنے حقیقی مالک یعنی حق تعالیٰ کی غلامی سے تو بدکتا ہے اور اس کے ہزاروں نام دھرتا ہے مگر اپنا شے جنس کی غلامی کا طوق لگے میں ڈال کر اتراتا ہے۔

غلامی یہ ہے کہ کسی برتر ہستی کی سند دیکھے بغیر وہ ایک شخص یا ٹولے کی چاکری کرے۔ اور محض اپنے سفلی مقاصد کی خاطر ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کی خواہشات کا اتباع کرے۔ — بہر حال اسلام نے اسکو "ابن آدم" بالخصوص "بندہ مومن" کی عظمت، عزت، اور مقام و مرتبہ کے منافی قرار دے کر انسان سے مطالبہ کیا ہے کہ۔

اے بہ تقلید شس اسیر آزاد شو دامنِ قرآن بگسیر آزاد شو
اے کہ تو فلاں کی غلامی میں گرفتار ہے۔ قرآن کا دامن پکڑ کر آزاد ہو جا۔ گویا کہ علامہ مرحوم کے نزدیک،
بندہ وہی ہے جو بندوں کی غلامی اور اللہ کی بنی مصلحتوں سے بالاتر رہ کر صرف قرآن و سنت سے وابستہ
رہتا ہے۔ مرحوم فرماتے ہیں کہ مملکت اسلامیہ نے کتاب و سنت سے دامن چھڑا کر حریت کا گلا گھونٹ
دیا ہے۔

چوں خلافت رشتہ از قرآن گسیخت حریت را ز ہر اندر کام ریخت
جب مملکت اسلامیہ نے قرآن سے اپنا تعلق منقطع کر لیا تو اس نے حریت کے منہ میں زہر انڈیل دیا۔
فرمایا: غلام شب و روز میں گردش کرتا ہے تاکہ وقت پاس ہو، لیکن بندہ حر بندہ ایام نہیں ہوتا، ان
پر حکمران ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ خدا کا نمائندہ ہوتا ہے۔

عبد گرد و دیادہ دریل و نہاد در دلِ حریادہ گرد و روزگار
غلامِ نورات دن کے چکروں میں کھو جاتا ہے مگر وہ بندہ حر کے قلب (نگاہ) کی دستوں میں کھو جاتا
مردِ جزو دلا گل بر میکند خویش را بر روزگارِ مئی تند
مرد آزاد خود کو مٹی سے ادھنچا اٹھاتا اور وہ پورے زمانے پر بچا جاتا ہے۔

عبد چوں طائرِ بدام صبح و شام لذتِ پرواز بر جانش حرام
غلام ایک پرندے کی طرح صبح و شام کے جال کا اسیر ہے اور اس کی روح پر لذتِ پرواز حرام ہے۔
سینہ آزادہ چا یک نفس طائرِ ایام را گرد و نفس (اسرارِ خودی)
بندہ حر کا تیز چلنے والا سینہ طائرِ ایام کو بچے کی طرح اسیر کر لیتا ہے۔

فرمایا: بندہ حر ماسوی اللہ سے آزاد ہوتا ہے۔
محرز لا الہ روشن ضمیر می دگر و بندہ سلطانِ ضمیر

حرفِ انسان کا دل تو حید سے روشن ہوتا ہے وہ بادشاہ اور امیر کا غلام نہیں ہوتا۔
ما کلیسا دوست، ما مسجد فریش از دستِ مصطفیٰ پیادِ نوش

ہم کہیں قوم کلیسا کے مرید ہوتے ہیں اور کبھی مسجدِ فردش مگر وہ (بندہ حر) دستِ مصطفیٰ سے پیادِ حید
نوش فرما ہوتا ہے۔

قبلہ ماگہ کلیسا گاہ دیر ادغواہد رزقِ اندستِ غیر
ہمارا قبلہ (صحابت) تو کبھی کلیسا اور کبھی بت خانہ ہوتا ہے۔ مگر وہ غیر اللہ سے رزق کا خواہاں نہیں ہوتا۔

ماہمہ جہد فرنگ اور عیدہ اوندہ گنجہ درجہان رنگ بُو

ہم فرنگی کے غلام وہ صرف اسی ذاتِ حق کا غلام ہو کیونکہ وہ جہان رنگ و بو میں سما سکتا نہیں۔

ماگدایاں کوچہ گرد و فاقہ مست فقر اور لا الہ تین بدست (پس چہ باید کرد)

ہم منگتے اور فاقہ مست، (لیکن) اس کے فقر کے ہاتھ لا الہ (توحید) کی تلوار ہوتی ہے۔

علامہ مرحوم نے توحید اور لا الہ کی جو تفسیر کی ہے، اس کا مفہوم بھی خود ہی بتاتے ہیں کہ لا الہ سے کیا

مراد ہے اور یہ کیا رنگ لاتا ہے۔

مہر و ماہ گرد و سوزِ لا الہ دیدہ ام ایں سوزِ لادروہ

چاند سورج میں سوزِ لا الہ سے گردش کر رہے ہیں (یقین کیجئے) میں نے اس کی حرارت ہر چھوٹی بڑی شے میں دیکھا

ایں دو حرفِ لا الہ گفتارِ نیت لا الہ جز تیغِ بے زہا نیت

لا الہ کے یہ دو حرف صرف وعدہ کرنے کی چیز نہیں ہیں یہ تو باطل کے خلاف ایک تلوار ہیں۔

زیتن با سوزِ ادقہاری است لا الہ ضرب است و ضرب کا سی است

لا الہ کے سوز سے جینا شاہی سطوت کا ضامن ہے یہ ایک ضرب ہے اور ضرب بھی کاری۔ لا الہ ماسوی اللہ کی نفی کر کے تمام توجہات ذات واحد پر مرکوز کر دیتا ہے۔ اس لیے اس سے بندہ حر و سردسرا قوت و ہیبت اور نور و سرور کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔

قوتِ سلطان و میرِ لا الہ ہیبتِ مرفقِ فقیرِ لا الہ

بادشاہ اور امیر کی قوت کا راز یہی توحید (لا الہ) ہے، مہر و درویش کی ہیبت کا چشمہ بھی یہی لا الہ ہے۔

تا و تیغِ لا و لا داشتیم ماسوی اللہ نشانِ نگاشتیم

جب تک ہمارے پاس لا اور لا کی دو تلواریں ہیں، ہم نے دنیا سے غیر اللہ کا نام و نشان بھی مٹا دیا۔

دارم اندر سینہ نورِ لا الہ در شرابِ من سرورِ لا الہ

میں لا الہ کا نور سینہ میں رکھتا ہوں اور میری شراب زندگی سرورِ لا الہ سے معمور ہے۔

فرماتے ہیں اگر لا الہ (توحید) کی تاب و توان تجھ میں پیدا ہو جائے تو پھر یہ لوح و قلم بھی تیرے ہیں۔

اگر گبیہ و سوز و تابِ لا الہ جز بکامِ اوندہ گرد و مہر و ماہ

اگر وہ لا الہ سے سوز و ساز حاصل کرے تو شمس و قمر بھی اس کی مرضی کے مطابق گردش کریں۔

لا و لا احتسابِ کائنات لا و لا فتحِ بابِ کائنات

لا اور لا (در اصل) کائنات کے لیے احتسابی قوت ہیں اور انہی کے اعجاز سے کائنات کا دروازہ کھلتا ہے۔

فرمایا یہ لا اور الا جہان کن کی تقدیریں ہیں۔

ہر دو تقدیر جہاں کاف و لون حرکت از لازید از الا سکون
یہ ہر دو جہان کن کی تقدیریں ہیں کن کی حرکت لا سے پیدا ہوتی ہے۔ اور الا سے سکون پکڑتی ہے۔
فرمایا اس لا الہ کی رمز سب سے بغیر غیر اللہ سے چھٹکارا محال ہے۔

تانا رمز لا الہ آید بدست بند غیر اللہ رانتواں شکست

لا الہ کی رمز جب تک ہاتھ نہیں لگتی، غیر اللہ کی بیڑیاں نہیں کٹ سکتیں۔ علامہ کے نزدیک مظلوم مولوں کو شاہیں سے لڑانا ہوتا تو نشہ توحید اُن کو پلائیے۔

بندہ را بہ خواجہ خواہی در تیرزا تخم لا در مشت او لبریز

اگر چاہتے ہو کہ آقاؤں سے ایک مسکین لڑھکائے تو اس کی مشت خاک میں لا الہ کی تخم ریزی کر۔

علامہ اقبال کی مندرجہ بالا تلقین سوشلزم یا اسلامی سوشلزم کا نعرہ لگانے والوں کو دعوتِ مطالعہ دیتی ہے۔
یہ لوگ چاہتے ہیں کہ یہ ننگ و دھڑنگ اٹھ کر آقاؤں کے گریبان پر اپنا ہاتھ ڈال لیں۔ یعنی ان کو شاہراہ کی ہڈیوں پر
اپنے مستقبل کی تعمیر کریں۔ لیکن علامہ فرماتے ہیں جو کل تک بندہ تھے اب وہی آقا بن جائیں گے، آقاؤں کا خاتمہ
تو پھر بھی نہ ہوا صرف شخصیتیں بدلیں۔ اور بس۔ ان آقاؤں کو رام کرنے کی صحیح تدبیر یہ ہے کہ آقاؤں کو میری میں فیض
اور مسکینوں کو فقیری میں امیری سکھا دیں کہ یہ سماں طاری ہو جائے۔

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

سوشلزم کے داعیوں کی پیش کردہ "بندہ و آقا کی آویزش" سے تخریب کے سامان تو ہو سکتے ہیں لیکن ایسی تعمیر ممکن
نہیں رہتی جس سے جذبہ انتقام کی رہبر سل کا بھی خاتمہ ہو جائے۔ اور بندوں کی دنیا اور آخرت کی عافیتیں بھی سلامت رہیں۔
الغرض پاکستان بن جانے کے بعد یا کسی مسلم ہر اور ملک کو سیاسی آزادی حاصل ہونے کے بعد اگر ان کو
لا الہ الا اللہ تک رسائی نصیب نہیں ہو سکی تو ہزار دعوؤں کے باوجود، آزاد اور احرار کہلانا خوش فہمی سے زیادہ وقعت
نہیں رکھتا۔ صرف آقا بد لے، غلامی کا داغ پیشانی سے نہ مٹ سکا۔

بندہ حرمی جو صفات اور علامات علامہ اقبال نے گنوائی ہیں ان کا مطالعہ کے بعد یوں محسوس ہوتا ہے کہ آزادی تو کجا ہم
شاید مسلم بھی نہیں ہے۔ وہ جہاں دنیا اب روز افزوں ہے کم از کم اس کا سیلاب کہیں جا کر آخر قہمتا ہی۔ لیکن آپ دیکھ رہے ہیں
کہ نفس و آفاق پہ جو خوش است اور اوبار کی گھٹا چھا گئی ہے وہ چھٹنے کے بجائے اور دبیز ہوتی جا رہی ہے۔ آخر ہم اس آزادی کو کیا
کریں۔ یہ آزادی تو متحدہ ہندوستان میں بھی ممکن تھی۔ اگر یہ پاکستان وہی ہے جس کی نشاندہی علامہ اقبال نے کی تھی تو
پھر اقبال کا وہ بندہ ٹر کہاں ہے "جس کو اقبال کے پاکستان کا وارث بننا تھا؟

غلام اکبری بہاری

منظہر جانناں کے ایک مرید

منظہر جانناں کے حلقہ ارادت میں دو شخصیات ایسی تھیں جو علم و فضل کے اعتبار سے اپنے دور میں یگانہ تھیں۔ ایک توفیق مظہری کے مؤلف مولانا قاضی شاد اللہ بانی پتی دم (تھے) اور دوسرے عظیم منطقی مولوی غلام یحییٰ بہاری۔

مولوی غلام یحییٰ ضلع پٹنہ کے ایک گاؤں اکیر میں پیدا ہوئے۔ موضع اکیر بہار سے آٹھ کوس کے فاصلہ پر پٹنہ اور بہار کے درمیان واقع ہے۔ ان کے والد کا نام نجم الدین تھا۔

تحصیل علم کی غرض سے مندیہ (ضلع ہرمدوت) گئے۔ مدرسہ منصورہ میں مولوی باب اللہ جوہپوری (م) کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ مولوی باب اللہ کی مجلس علم میں انھیں کئی دوسرے اہل علم سے ملنے اور استفادہ کرنے کا موقع ملا۔

تعلیم و تدریس کے بعد تصوف کی چاٹ لگی تو شیخ بدر عالم کے مرید ہو گئے۔ بعد ازاں دہلی گئے اور مظہر جانناں کے حلقہ ارادت سے منسلک ہو گئے۔ مولوی محمد حسین آزاد دیکھتے ہیں۔

”مولوی غلام یحییٰ فاضل جلیل۔ بہ ہدایت غیبی مرزا صاحب کے مرید ہونے کو دلی میں آئے۔ ان کی داڑھی بہت بڑی اور گھنی تھی۔ جمعہ کے دن جامع مسجد میں ملے اور ارادہ ظاہر کیا۔

مرزا نے ان کی صورت کو غور سے دیکھا اور کہا کہ اگر مجھ سے آپ بیعت کیا چاہتے ہیں تو پہلے داڑھی ترشوا کر صورت بھلے آدمیوں کی بنائیے پھر تشریف لائیے۔ اللہ جمیل

دیکھ بھال ”بھلا یہ پچھد کی صورت بھلا کو اچھی معلوم نہیں ہوتی تو خدا کو کب پسند آئے گی۔ ملا مشرع آدمی تھے۔ گھر میں بیٹھ رہے۔ مین دن تک برابر خواب میں دیکھا کہ بغیر مرزا کے تمھارا

عقدہ دل نہ کھلے گا۔ آخر بے چارے نے دارِ حلیٰ حجام کے سپرد کی اور جیسا خشناسی خط مرزا کا

کا تھا ویسا ہی رکھ کر مریدوں میں داخل ہو گئے۔

محمد حسین آزاد نے اردو شعراء کا تذکرہ آپ حیات لکھتے ہوئے تحریری مواد کے علاوہ سنی سناٹی باتوں سے رنگ و روغن فراہم کیا ہے۔ آپ حیات میں ایسی بے شمار سنی سناٹی باتیں موجود ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔

پانچ سال دہلی میں قیام کیا پھر لکھنؤ تشریف لے گئے اور مرتے وقت تک وہیں رہے۔
وفات :-

مولوی رحمان علی مؤلف تذکرہ علمائے ہند نے سن وفات ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۷ء لکھی ہے۔ نزہت الخواطر میں ماہ ذی قعدہ ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۷ء بتائی گئی ہے۔ مگر یہ دونوں روایات غلط ہیں۔

مولوی غلام سحیحی، مرزا مظہر جانجاناں کے مرید تھے۔ مظہر جانجاناں ۱۲۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۸۰ھ مولوی غلام سحیحی کی سن وفات نہیں ہو سکتی کہ سترہ سال کی عمر میں مظہر جانجاناں ایسے بلند مرتبہ مرشد نہیں ہو سکتے تھے۔ انھوں نے مولوی موصوف کے ایک رسالہ پر تقریظ بھی لکھی ہے جو سترہ سال یا اس سے کم عمر میں ممکن نہیں۔

مظہر جانجاناں نے ان کا سانحہ ارتحال لکھا ہے اور سال وفات ۱۲۸۶ھ بتایا ہے۔

تالیفات :- مولوی غلام سحیحی سے مندرجہ ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

- ۱۔ حاشیہ رسالہ میرزا ہد۔ کتاب کا نام لواء الہدیٰ فی اللیل والدجی ہے۔ ۲۔ حاشیہ شرح مسلم۔
- ۳۔ کلمۃ الحق۔ ڈاکٹر طبرہان احمد فاروقی کے بیان کے مطابق مولوی موصوف نے یہ رسالہ مظہر جانجاناں کے ایما پر شاہ ولی الشہ (دم ۱۲۸۶ھ) کی تردید میں لکھا تھا۔ جس کا جواب شاہ رفیع الدین (دم ۱۲۸۳ھ) نے دمع الباطل کے نام سے لکھا ہے۔

مزاد :- تذکرہ کے بیان کے مطابق بہار میں شیخ شرف الدین کے احاطہ درگاہ میں مدفون ہیں۔ مگر نزہت الخواطر کے اندراج کی رو سے لکھنؤ میں احاطہ شیخ پیر محمد میں مدفون ہیں۔ آخر الذکر بیان درست ہے۔

تعارف و تبصرہ کتب

نام کتاب :- انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر

مصنف :- مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

صفحات :- ۸۰ صفحات (مجلد - دیدہ زیب گرد پوش)

کاغذ و طباعت عمدہ - کتابت واجبی

پتہ ناشر :- مجلس نشریات اسلام ۱ - کے ۲ - ناظم آباد کراچی ۷۱

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کا شمار دنیا کے اسلام کے ان عظیم ترین علما اور مفکرین میں ہوتا ہے جس کے علم و فضل اور گراں قدر دینی خدمات پر ملت اسلامیہ بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔ مبداء فیاض نے انھیں اردو اور عربی زبان و ادب پر بے پناہ قدرت عطا کی ہے اور ان دونوں زبانوں میں ان کے قلم سے متعدد ایسی کتابیں نکل چکی ہیں جن میں سے ہر ایک اپنے موضوع پر شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان میں سے کئی کتابیں عالمگیر شہرت کی حامل ہیں۔ زیر نظر کتاب بھی اس زمرے میں آتی ہے۔ اصل میں یہ کتاب عربی میں ”ماذا خسرو العالم با تحطاط المسلمین“ کے نام سے لکھی گئی تھی اور تقریباً پچیس سال پہلے مصر کے ایک مشہور دارالاشاعت کی طرف سے شائع کی گئی تھی۔ اس کتاب کو عالم اسلام میں اس قدر مقبولیت ہوئی کہ اب تک عربی میں اس کے نو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس کا ترجمہ انگریزی، فرانسیسی، ترکی اور فارسی زبانوں میں بھی ہو چکا ہے اور ان تراجم کے بھی دو ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ عربی کتاب کے بیشتر حصے کو فاضل مصنف نے خود اردو میں منتقل کیا ہے اور چند ابواب کا ترجمہ مولانا عبداللہ ندوی، مولانا محمد رابع ندوی اور مولانا محمد حسنی نے کیا ہے۔ اردو میں اس کتاب کا یہ آٹھواں ایڈیشن ہے۔ عربی کتاب کے دوسرے ایڈیشن کا مقدمہ مصر کے نامور مفکر اسلام سید قطب شہید نے لکھا تھا یہ مقدمہ بجائے خود ایک بلند پایہ مقالہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کا اردو ترجمہ بھی زیر نظر کتاب میں شامل ہے۔

کتاب کے پہلے باب میں فاضل مصنف نے بعثتِ محمدی سے قبل کے حالات کا بڑی دقت نظر

کے ساتھ جائزہ لیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ صرف عرب ہی نہیں بلکہ اس دور میں تمام دنیا ہی بدترین گمراہی، ادھام اور خرافات میں مبتلا تھی۔ دوسرے باب میں انھوں نے بعثتِ محمدی کے بعد بنی نوع انسان کی تقدیر بدل دینے والے انقلاب کے حالات مسحوَر کن انداز میں بیان کیے ہیں۔ تیسرے باب میں بڑے دولہ انگیز پیرائے میں مسلمانوں کو زندگی کے ہر شعبے میں دنیا کی قیادت کرتے دکھایا گیا ہے، پانچویں اور چھٹے باب میں مسلمانوں کے تنزل اور مخالف اسلام قوتوں کے عروج کی تفصیل نہایت حقیقت پسندانہ انداز میں بیان کی گئی ہے ساتویں باب میں فاضل مصنف نے مسلمانانِ عالم اور بالخصوص عربوں کو اپنا محاسبہ کرنے اور اپنی سیرت و کردار کو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی بنیچ پر استوار کرنے کی دعوت دی ہے۔ ساری کتاب میں شروع سے اخیر تک تحقیق، عمیق نظری اور تفکر کی گہری چھاپ ہے اس کے ایک ایک لفظ سے ایسا اخلاص اور سوز و درد مندی نمایاں ہے کہ پڑھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ کتاب تاریخ اور تفکر کا نہایت خوشگوار امتزاج ہے۔ فاضل مصنف کا اندازِ فکر خالص دینی اور اسلامی ہے ساتھ ہی وہ بڑے وسیع النظر اور وسیع المطالعہ بھی ہیں۔ مختلف تاریخی واقعات سے انھوں نے جو نتائج اخذ کیے ہیں وہ فکر و نظر کی آخری حد تک درست معلوم ہوتے ہیں۔ بلا بغیر یہ کتاب اپنے موضوع پر ہر لحاظ سے ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے اس کا مطالعہ نہ صرف معلومات میں اضافہ کا باعث ہوگا بلکہ ایمان اور یقین کو مزید پختہ کرے گا۔

کتاب کی کتابت اس کے نمایاں شان معلوم نہیں ہوتی۔ کئی جگہ کتابت کی غلطیاں بری طرح کھٹکتی ہیں امید ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں انہیں دور کر دیا جائیگا۔ (طالب ہاشمی)

(۲)

نام کتاب :- سیرت حضرت سعد بن ابی وقاص

مصنف :- طالب ہاشمی

ضخامت :- ۲۶۴ صفحات (مجلد دیدہ زیب سرورق)

سائز :- ۱۸ × ۲۳ قیمت :- ۱۔ نمبر پے

ناشر :- قومی کتب خانہ (رجسٹرڈ) ریلوے روڈ - لاہور

فاتح عراق عرب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا شمار شیعہ رسالت کے ان پردازوں میں ہوتا ہے جن کے ہمت با شان کارناموں اور دینی خدمات سے تاریخ اسلام کے صفحات

گزارا احسان ہو رہے ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سابقہ اولوں میں سے ہیں اور ان دس صحابہ کرام میں سے ایک ہیں جن کو سان رسالت نے ان کی زندگی ہی میں مغفرت اور جنت کی بشارت دی دی تھی۔ بدر سے لے کر خندق تک انھوں نے ہر معرکہ میں سرور کو نمین کی رفاقت کا حق ادا کیا اور پھر ایک حق جہنم فلک نے انھیں اس جانباز لشکر کی قیادت کرتے دیکھا۔ جس نے کجکلاہ ایران کا تخت الٹ کر آتشکدہ فارس کو ہمیشہ کے لیے سرد کر دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بارگاہ رسالت سے مرد صالح کا عظیم لقب مرحمت ہوا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی بدولت وہ مستجاب الدعوات ہو گئے تھے۔ ان کا چمن اخلاق عشق رسول، خشیت الہی، غیرت دینی، تحمل شدائد، زہد و تقویٰ، تواضع، ایثار اور سخاوت جیسے گہائے رنگا رنگ سے آراستہ تھا۔ اسے حالات کی ستم ظریفی کہیے یا کچھ اور کہ اتنے بلند مرتبہ اور جامع کمالات و صفات صاحب رسول کی سیرت پر اردو میں اس سے پہلے کوئی مستقل کتاب شائع نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ طالب ہاشمی نے یہ کتاب لکھ کر اس کی کو بطریق احسن پورا کر دیا ہے۔ فاضل ٹولف ایک گوشہ نشین ادیب ہیں اور گزشتہ تیس سال سے نہایت خاموشی کے ساتھ دین و اخلاق اور اردو زبان کی خدمت کر رہے ہیں۔ تاریخ و سیرت ان کا خاص موضوع ہے۔ اور اب تک ان کی متعدد تاریخی کتابیں شائع ہو کر ارباب علم سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں۔ زیر نظر کتاب انھوں نے بڑی تحقیق و تفحص اور محنت و عقیدت کے ساتھ قلم بند کی ہے اور حضرت سعد کی دلولہ انگیز داستان زندگی کے ہر گوشے پر بڑے دلکش انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ زبان شستہ اور انداز نگارش نہایت دلآویز ہے۔ بعض مقامات پر تو شدت تاثر سے آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ کتاب کی دلچسپی شروع سے اخیر تک قائم رہتی ہے کیونکہ اس میں کسی مقام پر بھی یوست غالب نہیں ہونے پاؤں۔ فاضل ٹولف نے واقعات کی ترتیب و تبویب میں بھی بڑے سلیقے سے کام لیا ہے، کتاب کا دیباچہ ملک کے بزرگ ترین صحافی ملک نصر اللہ خاں عزیزیہ صاحب نے لکھا ہے۔ یہ دیباچہ بڑا جاندار اور وقیع ہے اور کتاب کے شایان شان ہے ایسی کتابوں کی نشر و اشاعت اس وقت ملک کی اہم ترین ضرورت ہے کیونکہ ہمارے خیال میں ان کا مطالعہ قوم کے جذبہ عمل کے لیے ہمیشہ ثابت ہو سکتا ہے۔

جناب طالب ہاشمی ہدیہ تبریک کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اپنا قلم ایسی پاکیزہ کتاب میں لکھنے کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ فجزاہ اللہ خیر الجزا!

کتاب میں کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں کھٹکتی ہیں امید ہے آئندہ ایڈیشن میں ان کی تصحیح کر دی جائے گی۔